

جامعہ حقانیہ کا ترجمان

جلد ۱

الحقانیہ

سائہ سوال
سرگودھا

جلد ۱ • زیع الاول ۱۴۲۷ھ • اپریل ۲۰۰۶ء • شمارہ ۱

بانی

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبد الشکور رند
قدس سرہ

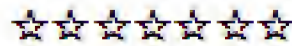
سائہ سوال • سرگودھا

۰۴۸-۶۷۶۰۰۲/۶۷۶۸۹۹

جامعہ حقانیہ

ربیع الاول ۱۴۴۷ھ اپریل ۲۰۰۶ء فہرست

3	ماہ ربیع الاول اور جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
4	جناب حاجی ایاز خان مرحوم
6	درس قرآن کریم
8	درس حدیث
10	ملفوظات حکیم الامت
12	مکتوب گرامی
14	گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی ہزا
19	مقام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
23	تبلیغ بذریعہ فلم
26	حرمت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم
31	اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فضائل و مناقب اور خصوصیات
34	محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
36	شفیع دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم
38	شیخ القراء قاری فتح محمد پانی پتی
45	الاستفتاء
47	تعارف و تبصرہ
48	اخبار الجامعہ



خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ [الحقانیہ] جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فون: 048-6786002/6786899 ☆ E-mail-alhaqqania@yahoo.com

پبلشر: سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر محمد منیر فاکٹر پرنٹنگ پریس بلاک 8 سرگودھا کمپوزر: حافظ سید عبدالغفور ترمذی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہِ ربیع الاول اور جشن عید میلاد النبی ﷺ

ماہِ ربیع الاول کی ایک عظیم اور بے مثال خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سرور کائنات رحمۃ اللعالمین حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی جس سے یقیناً اس ماہ مبارک کی فضیلت بڑھ گئی اور اس بنا پر اس کی بہاریں سدا بہار بن گئیں، اسلامی سال کے بارہ مہینوں میں جب بھی ربیع الاول آتا ہے تو آپ ﷺ کی ولادت شریفہ کا واقعہ یاد آ کر ہر مسلمان اور امتی کو بے پناہ خوشی اور مسرت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں ایک بہار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

بلاشبہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کائنات کیلئے عظیم رحمت اور یہ واقعہ بڑی ہی خوشی کا واقعہ ہے لیکن ہم چونکہ آپ ﷺ کے غلام اور آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کے پابند ہیں اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس بارہ میں بھی سنت کا اتباع کریں اور غمی کی طرح خوشی میں بھی شریعت کی حدود کو قائم رکھیں، آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ مہینہ اور آپ ﷺ کی تاریخ ولادت ساتھ سے زائد مرتبہ آئی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ بھی آپ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً ایک صدی پر محیط ہے، اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کا دور بھی ایک طویل زمانہ پر مشتمل ہے لیکن آپ ﷺ کے عہد اقدس اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کے بہترین زمانہ میں ہمیں اس حوالہ سے کوئی حکم اور کوئی طرز عمل نہیں ملتا اور نہ ہی اس مہینہ میں ولادت باسعادت کے عنوان سے کسی قسم کی تقریب کا پتہ چلتا ہے، لیکن افسوس کہ کچھ عرصہ سے ایک مخصوص طبقہ نے جشن عید میلاد النبی کا عنوان دے کر اسے باقاعدہ دین کا حصہ اور جو شخص اس میں شمولیت نہ کرے اسے نعوذ باللہ گستاخ رسول قرار دے دیا ہے، والی اللہ العزیز۔

بلاشبہ ہزاروں لاکھوں عیدیں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی پر قربان کیا حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو سال میں صرف دو عید کرنے کا حکم نہیں دیا؟ اب اگر اپنی طرف سے تیسری عید بنائی جائیگی تو کیا وہ احداث فی الدین ہونے کی وجہ سے بدعت نہ ہوگی؟ یہ سوچنے

اور غور کرنے کی بات ہے۔

سنت کا راستہ چھوڑ کر مسلمان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا مگر افسوس! کہ آج سنتوں کے نام پر بدعات کے جشن منائے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کو سنتوں سے دور کیا جا رہا ہے۔ پھر دور حاضر میں اس جشن کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے کیا کوئی بھی ذی عقل اسے دین اسلام کی تعلیمات و ہدایات قرار دے سکتا ہے؟ ہم اس فکر اور جشن کے قائدین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ گروہی تعصب سے ہٹ کر اپنی اس روش پر نظر ثانی کریں اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی فرما کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حق دار بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق دیں اور بدعات سے محفوظ رکھیں، آمین۔

جناب حاجی ایاز خان مرحوم

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے خاص خادم جناب ملا نیاز مرحوم کے صاحبزادہ جناب ایاز خان مرحوم ۶ صفر ۱۴۲۷ھ بمطابق ۷ مارچ ۲۰۰۶ء بروز منگل کراچی میں انتقال کر گئے ان شاء اللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب ملا نیاز خان مرحوم حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں ایک عرصہ تک بطور خادم کے مقیم رہے، وہ اگرچہ کوئی تعلیم یافتہ یا عالم دین نہ تھے لیکن حضرت اقدس کی صحبت کی وجہ سے ان میں ایسا انقلاب آیا کہ بعض اوقات بڑے بڑے اہل علم کو بھی مسائل کی طرف متوجہ فرما دیتے تھے، ان کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک بڑے عالم حضرت کے ہاں مہمان ہوئے، ملا نیاز مرحوم حضرت کے مکان سے ان کا کھانا لائے، انہوں نے پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی کو کھانے میں شرکت کی دعوت دی تو ملا نیاز مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کھانا آپ کیلئے اباحت کے طور پر ہے یا تمہلیک کے طور پر؟ وہ عالم فوراً سمجھ گئے اور فرمانے لگے کہ واقعہً بھائی مجھے کسی کو دعوت دینے کا حق نہیں، ملا نیاز مرحوم کی اس تنبیہ پر وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ بالکل ان پڑھ ہیں لیکن اتنی باریک بات کو سمجھتے ہیں، دراصل یہ سب حضرت کی صحبت کا اثر اور برکت تھی۔ مرحوم ایاز احمد انہی کے فرزند تھے، ان کا نام ایاز احمد بھی حضرت اقدس کا ہی تجویز فرمودہ تھا اور حضرت نے ملا نیاز خان سے فرمایا تھا کہ میں ان

کا نام ایاز رکھ رہا ہوں آگے قافیہ جگ ہے، اگر اب کوئی لڑکا ہوا تو پھر اس کا نام پیاز رکھنا پڑے گا، مگر یہ اللہ تعالیٰ کی شان کما س کے بعد ملا نیا زمر حوم کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

جناب ایاز خان صاحب نے ابتدائی عمر کا حصہ خانقاہ تھانہ بھون کے ماحول میں گزارا اور حضرت اقدس تھانوی کی خوب زیارتیں کیں، حضرت اقدس والد گرامی قدس سرہ کے ساتھ قرآن کریم حضرت خلیفۃ اعجاز احمد صاحب مرحوم سے پڑھا، پھر تعلیم جاری نہ رکھ سکے، پاکستان آ کر کراچی میں مقیم رہے۔ ۱۹۸۶ء میں ان سے احقر پہلی مرتبہ اس وقت ملا جب وہ دارالعلوم میں حضرت والد صاحب سے ملاقات کیلئے آئے، بعد میں وہ ساہیوال میں بھی تشریف لائے اور کئی روز قیام کیا اور بہت سے پرانے واقعات سناتے رہے، یہاں کے حالات دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ابھی حال ہی میں وہ ہندوستان گئے تو بیمار ہو گئے، دہلی سے کراچی واپس آنا پڑا اور یہاں آ کر انتقال کر گئے۔

ہندوستان کے سفر اور بیماری سے متعلق یہ سب تفصیل انہوں نے احقر کو خود لکھ کر بھیجی، ان کا یہ خط احقر کو ان کی وفات سے چند روز قبل ہی ملا تھا، جس روز احقر نے جواب لکھ کر انہیں بھیجا اسی روز اخبار ضرب مومن میں یہ خبر پڑھی کہ وہ کراچی میں انتقال کر چکے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماویں اور ان کی زلات و سینات کو معاف فرماویں، آمین۔

تھانہ بھون کی نسبت سے مرحوم کے ساتھ کئی یادیں وابستہ تھیں، انہیں بھی اپنے بزرگوں بطور خاص حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے کئی واقعات یاد تھے۔

احقر کے عم محترم و مکرم جناب سید عبدالعلیم صاحب ترمذی مدظلہم کی پیدائش چونکہ تھانہ بھون کی ہے اور ان کو حضرت تھانوی کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہے اس لئے مرحوم ایاز خان صاحب ان سے بہت مانوس اور محبت فرماتے تھے، ساہیوال قیام کے زمانہ میں زیادہ تر ان کا دل چچا جان ہی کی وجہ سے لگا رہا، دونوں حضرات کی مجلسیں خوب جمیں اور جی بھر کر تھانہ بھون کے تذکرے ہوتے رہے جس سے ہمیں بھی بہت فائدہ ہوا، لیکن ظاہر ہے کہ اب صرف یادیں رہ گئی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرماویں، آمین۔

فقط

۲۲ صفر الخیر ۱۴۲۷ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

تسمیہ میں تین اسماء کے ذکر کی حکمت

ابتداء کیلئے ان تین ناموں کو یعنی اللہ، رحمٰن اور رحیم کو اس لئے خاص فرمایا کہ انسان پر تین حالتیں گذرتی ہیں۔

اول اس کا عدم سے نکل کر وجود میں آنا۔

دوم اس کا باقی رہنا اور جس قدر خلاق علیم نے اس کیلئے مدت بقاء مقرر فرمائی ہے اس کو پورا کرنا جس کو حیات دنیا اور زندگی کہتے ہیں۔

سوم اس نشأۃ دنیا کے ختم ہونے کے بعد حیات دنیویہ پر ثمرات کا مرتب ہونا، عمل نیک پر جزا اور عمل بد پر سزا پانا۔

پس ابتدا میں تین نام ذکر فرمائے تاکہ تینوں حالتوں کی جانب اشارہ ہو جائے، لفظ اللہ میں پہلی حالت کی جانب اشارہ ہے اس لئے کہ تخلیق و تکوین بارگاہ الوہیت سے متعلق ہے، اور لفظ رحمٰن سے دوسری حالت کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ دنیا دار یا ابتلاء اور دار امتحان ہے، جو اس جگہ ٹھیک راستہ پر چلا اس کیلئے آخرت کی تمام منزلیں آسان ہیں، شیطان اور نفس امارہ ہر وقت اس کی تاک میں ہے اس لئے بندہ ایسی حالت میں بے پایاں اور بے انتہا رحمت کا محتاج ہے، اور لفظ رحیم کو تیسری حالت یعنی نشأۃ آخرت کے یاد دلانے کیلئے ذکر فرمایا۔

ترتیب اسماء کی حکمت

تسمیہ کی ترتیب کو اگر دیکھا جائے تو اس میں پہلے لفظ اللہ ہے پھر رحمٰن پھر رحیم، اس ترتیب میں کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسماء کی یہ ترتیب ان کے تعلقات کی ترتیب کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، اللہ کا وجود پہلے تو ذکر بھی پہلے، پھر اسم رحمٰن ہے جس کا تعلق دنیا کی رحمتوں سے ہے، پھر اس کے بعد رحیم ہے اس کا تعلق آخرت کی رحمتوں سے ہے۔ الغرض ترتیب وجودی کا لحاظ کرتے ہوئے تسمیہ میں اسماء الہیہ کی ترتیب بھی رکھی گئی ہے، یوں ترتیب وجودی اور ترتیب ذکر میں تطابق

وتوافق ہو گیا فلا اله الحمد فی الاولی والآخرۃ۔

تسمیہ میں دو صفات کمال کا ذکر کیوں؟

بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات کمال میں سے صرف دو صفتیں ذکر کی گئی ہیں اور وہ دونوں لفظ رحمت سے مشتق ہیں اور وسعت رحمت اور کمال رحمت پر دلالت کرنے والی ہیں، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تخلیق عالم اور آسمان و زمین اور تمام کائنات کے پیدا کرنے اور ان کو پالنے وغیرہ کامنشا اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ہے، نہ اس کو ان چیزوں کی خود کوئی ضرورت تھی نہ کوئی دوسرا ان چیزوں کے پیدا کرنے پر مجبور کرنے والا تھا صرف اسی کی رحمت کے تقاضے سے یہ ساری چیزیں اور ان کی پرورش کے سارے انتظامات وجود میں آئے ہیں۔

ما نبودیم و تقاضہ ما نبود لطف تو ما گفتہ ما می شنود

نہ ہم تھے نہ ہمارا کوئی تقاضہ تھا، آپ کی مہربانی کہ بغیر درخواست کے آپ نے سن لیا۔

خلاصہ تسمیہ

لفظ اللہ میں تمام مباحث الہیت کی طرف اشارہ ہے اور لفظ رحمن میں مباحث نبوت و شریعت کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے بغیر خدا کی مرضی کے بغیر ایک لمحہ گزارنا محال ہے اور لفظ رحیم میں اجمالاً تمام امور آخرت کی طرف اشارہ ہے اور یہی وہ تین امور ہیں جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کا لب لباب اور عطر ہیں (معارف القرآن از حضرت مولانا کاندھلوی و حضرت مفتی اعظم) تسمیہ اور قرآنی علوم

قرآن کریم اولین و آخرین کے علوم کا جامع ہے جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ روایت میں اسی طرح آتا ہے، اولین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل تھے اور آخرین سے حضرت ابراہیم سے بعد والے حضرات مراد ہیں۔ قرآن کریم کے کل علوم سورت فاتحہ میں جمع ہیں جبکہ سورت فاتحہ کے کل علوم بسم اللہ میں ہیں اور بسم اللہ کے علوم ”با“ میں ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”با“ کے علوم اس نقطہ میں ہیں جو با کے نیچے ہے۔

درس حدیث

رحمۃ (لقد روي) ترجمہ بہجۃ (لنفوس)

مؤلف: حضرت امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

خلوت کیلئے توشہ ساتھ لے جانا سنت ہے

(۷) حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ جائے اعتکاف یا خلوت گاہ یا مقام مراقبہ میں داخل ہوتے وقت توشہ ساتھ لینے کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت کی عبادت کیلئے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جایا کرتے تھے جس سے مدت قیام میں زندگی کا سہارا ہو اور اس میں حکمت یہ ہے کہ توشہ ساتھ لے کر جانے میں صفت عہدیت اور اپنی احتیاج وضع کا اظہار ہے کیونکہ انسان کو ان امور کی طاقت بجز اللہ سبحانہ کی اعانت کے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی اور بدوں توشہ کے جانے میں ایک کو نہ دعویٰ کی شان ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہا جائے اور نہ دل سے نیت کی جائے، تو ایسا کرنے والے پر اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی کی ذات کے حوالہ نہ کر دیں پھر وہ اپنا ارادہ پورا کرنے سے عاجز ہو جائے جو اس راستہ میں اس نے کیا تھا، اسی لئے بعض حضرات صوفیہ شدت اتباع سنت کی وجہ سے اپنی خلوت گاہ اور عبادت گاہ میں داخل ہونے کے وقت ایک روٹی ساتھ لے لیتے تھے اور اسکو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیتے اور کئی کئی دن تک مسلسل روزہ رکھتے اور روٹی میں سے کچھ بھی نہ کھاتے، کسی مرید نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اس نے تکیہ کے نیچے سے روٹی نکال لی، ایک دن شیخ نے روٹی کو تلاش کیا اور (تکیہ کے نیچے) نہ پایا تو مریدوں پر بہت جھلائے اور ان کی اس حرکت پر بہت ناراض ہوئے، انہوں نے عرض کیا کہ جب آپ کو اس کی ضرورت نہیں (اور بدوں کچھ کھائے پئے مسلسل روزے رکھ لیتے ہیں) تو اس روٹی کو یہاں کس لئے رکھتے ہیں؟ فرمایا کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ قوت جو میرے اندر دیکھتے ہو میری ذاتی قوت ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے، اب بتلاؤ اگر میں (اپنی اصلی حالت کو بھول جاؤں اور) حالت بشریت ہی کی طرف لوٹا دیا جاؤں تو (اس وقت) میں کیا کروں گا؟ (کیا اس وقت بھی بدوں کھائے پئے روزہ رکھ لوں گا،

ہرگز نہیں) غرض وہ (بزرگ) اپنے ضعف کی حالت کا اور عادت جتنی قدرت انسان کو دی گئی ہے اس کا لحاظ کر کے کام کرتے اور اسکے سوا جو کچھ (ظاہر) ہوتا اس کو اپنے اوپر اللہ کا فضل (واحدان) سمجھتے تھے، اور ان سب حالات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے جیسا کہ ہم نے انکی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

نیز اس میں ایک اور بھی حکمت ہے وہ یہ کہ توشہ ساتھ لے کر جانے میں (پریشانی کا) سبب ہے کیونکہ جب توشہ اپنے سامنے ہوگا تو نفس کو کوئی انتظار اور تعلق (باقی) نہ رہے گا، حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان کے پاس قوت ہوتی ہے تو اس کو اطمینان ہو جاتا ہے، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ حلال طریقہ سے روزی مل سکے ورنہ اللہ روزی دینے والا اور بڑی قدرت والا ہے (وہ غیب سے روزی دیں گے اور اس صورت میں توشہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قاعدہ کے موافق روزی نہ ملتی تو اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے تین تین پتھر باندھ لیتے اور توشہ کا سامان کرنے کی اصلاً کوشش نہ فرماتے بلکہ اس کا خیال بھی نہ فرماتے (الرحمۃ الخامس عشر فیہ دلیل عن التسبب فی الزاد الی قولہ ولا یبظر الیہ)

مفسر: یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ترک اسباب کو شرط تصوف سمجھتے اور مشغولی اسباب کو مانع طریق سمجھتے ہیں ۱۲۔

دعائے صحت

دارالعلوم دیوبند (وقف) انڈیا کے مہتمم خطیب اسلام حضرت
مولانا قاری محمد سالم قاسمی مدظلہم نبیرہ حجتہ الاسلام حضرت
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ان دنوں علیل ہیں، قارئین سے ان کی
صحت کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت^{رح}

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

جہاں فرمایا مولوی امیر شاہ خان صاحب رسوم و بدعات کے بہت سخت مخالف تھے اور کسی کو تکبر سے نہ چھوڑتے تھے، مگر ہمارے حضرت کے بہت معتقد تھے حضرت سے کبھی ایسی گفتگو نہیں کی، لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت کے سامنے نہیں بولتے تو حضرت کے سامنے ان کو چھیڑتے تھے، اب اگر کچھ کہیں تو حضرت کے مزاج کے خلاف ہوتا ہے، بس یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ باہر چل کر پوچھنا، حضرت کو اس کا علم ہو گیا تو فرمایا ان کو کچھ کہنا نہ کرو یہ میرے ادب سے بولتے نہیں تم ادب نہ توڑو انہیں دوسرے اشخاص کے باب میں شبہات تھے مگر حضرت کے بارہ میں کوئی شبہ نہ تھا کہ حضرت حدود سے آگے نہیں ہیں۔

جہاں ایک صاحب محمد شعیب نام کا خط آیا ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کیلئے نام دریافت کیا تھا، فرمایا اگر لڑکا ہوتا تو صہیب و ضعیب نام لکھتا، یہ دونوں دو صحابیوں کے نام ہیں، اس بچی کی دو بہنوں کا نام بھی میں نے ہی تجویز کیا ہے یعنی ریحہ اور فصیحہ تو اس کا نام صحیح ہونا چاہئے، ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کی ماں کا نام خدیجہ تھا مجھے قافیوں کا بہت خیال رہتا ہے بہت سوچا تو سورۃ فی میں کلمہ ملا جس کی مؤنث بھیجہ ہے، پھر فرمایا اگر میں شاعر ہوتا تو بہت قافیہ سوچنے پڑتے خدا کا شکر ہے کہ شاعر نہیں ہوں اب بہت کم مشقت پڑتی ہے۔ وصل بلگرامی بولے کہ شاید او تو اس کا قافیہ نہ ہو فرمایا دلچہ قرآن شریف میں آیا ہے، پھر کچھ اور گفتگو کے بعد فرمایا کہ صحیحہ تو ایک ظرافت تھی ہاں صبیحہ نام اچھا معلوم ہوتا ہے، آخر لوگ حسینہ، جمیلہ، نام رکھتے ہی ہیں (جمع کنندہ کہتا ہے کہ صبیحہ سے صبیحہ زیادہ خوبصورت ہے)

جہاں فرمایا ایک ادیب عیسائی کا قول ہے کہ جتنے اعلیٰ درجہ کے لغت ہیں قرآن مجید میں چھانٹ لئے گئے ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کثرت سے وہ لغت ہیں جو حدیث شریف میں بھی نہیں اور جو حدیث شریف میں ہیں وہ دوسروں کے کلام میں نہیں۔

جہاں فرمایا محققین نے تصریح کی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ خیر و شر دونوں کے خالق ہیں اور خلق شر میں حکمت ہے اس لئے شر حق تعالیٰ کی نسبت سے شر نہیں ہے کیونکہ اس میں حکمت ہے، البتہ ہماری

نسبت سے شر ہے کیونکہ ہم سے اس کے صدور میں کوئی حکمت نہیں، مولانا فرماتے ہیں۔

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است چوں بہا نسبت کنی کفر آفت ست

☆ فرمایا آج کل حریت کے معنی یہ لے رکھے ہیں کہ اپنی آزادی میں خلل نہ آنا چاہئے

دوسرے کو تکلیف ہی پہنچے اور دوسرے معنی حریت کے ہیں مذہب سے آزادی۔

☆ ایک صاحب نے لفافہ پر حضرت کے نام سے پہلے حضرت الامام لکھا تھا، نا کواری کے

ساتھ فرمایا لوگ نے نئے لفظ لکھتے ہیں جو امام تھے وہ تو خود کو مقتدی بھی نہ سمجھتے تھے، ایک طالب علم نے

عرض کیا کہ اس کی ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے کہ آج کل لوگوں نے نا اہلوں کو حضرت اور مولانا لکھنے کا

التزام کر رکھا ہے اور وہ عام ہو گئے ہیں اب اگر اہل کمال حضرات کیلئے بھی یہی لفظ لکھے جائیں تو التباس

ہوتا ہے اس لئے اعلیٰ الفاظ استعمال کرنا چاہتے ہیں، فرمایا چند روز میں یہ بھی عام ہو جائیں گے، اس

نے عرض کیا اور تلاش کر لئے جائیں گے، فرمایا وہ بھی عام ہو جائیں گے تو کہاں تک تلاش ہوگی، یہ

سب تکلف ہے۔

☆ ایک لفظ پر روشنائی گر گئی تھی تو اس پر یہ لکھ دیا ”بلا قصد روشنائی گر گئی“ اور وجہ بیان فرمائی

کہ یہ اس لئے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں جس کا سبب قلت احترام ہوتا ہے۔

☆ فرمایا آج کل نسبتوں کا بہت رواج ہو گیا ہے جیسے فاروقی، چشتی وغیرہ مجھے تو برا معلوم

ہوتا ہے چاہے نیت تفاخر کی نہ ہو مگر صورت تو ضرور ہے۔

☆ ڈاک آئی تو جوابات لکھنے شروع فرمادیے اور فرمایا خطوط کا جواب رفع انتظار کیلئے جلدی

ہی لکھ دیا کرتا ہوں حتیٰ کہ جن سے کچھ اختلاف بھی ہے ان کیلئے بھی جلدی ہی جواب لکھنے کو جی چاہتا ہے۔

☆ فرمایا ایک مسافر کاہلی صاحب سردی میں صرف پوشین پہنے ہوئے تھے اور کچھ نہ تھا، جاڑا

لگا تو اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ چلا جا، مگر وہ نہ گیا، رسول کا واسطہ دے کر کہا کہ چلا جا، مگر وہ نہ گیا، کسی

نے کہا کہ میاں آدھ میر روئی کی رضائی بنا لو بس جاڑا جاتا رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تو بولے یہ جاڑا

بڑا کافر ہے، اللہ کے نام سے نہ گیا، رسول کے نام سے نہ گیا، ایک آدھ میر روئی سے چلا گیا بڑا

بے ایمان کافر ہے۔

مکتوب گرامی

فقیر العصر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم مدظلہم کلاچی

بنام حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

بخدمت گرامی قد رخصدوم زادہ ام حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مہتمم جامعہ خیر المدارس

ملتان دامت معالیہ و بوركات ايامہ ولیا لیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

روزانہ اسلام راولپنڈی شمارہ ۷ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ، ۳۸/۲۰۰۶ء میں یہ روح افزا خبر کی خبر پڑھ کر جسم تو نہیں روح رقص کرنے لگی کہ آپ کے جدا مجدا اور اپنے مشفق ترین استاد معظم خیر العلماء والعالمین فی زمانہ و خیر الاساتذۃ الصالحین فی اوانہ کے مرقد اطہر اور قبر مطہر سے آپ کے ۳۶ سال وصال کے بعد ایک ایسی معطر خوشبو نکلی اور سرورایام نکل رہی ہے جس سے پورا ماحول رشک المسک بن رہا ہے اور جس نے تمام حاضرین کو گویا نئی لاجد ریح یوسف کا قصہ پارینہ یاد دلایا ہے۔

باد صبا جو آج بہت مشک بار ہے شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف پار ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، روحانی اور ایمانی خوشبو تو عرصہ دراز سے اولاً فیض محمدی، ثانیاً خیر المدارس ریلوے روڈ جالندھر اور ثالثاً خیر المدارس بیرون شہر جالندھر، اب رابعاً خیر المدارس ملتان کی صورت میں چل رہی ہے مگر ہم جیسے مزکوبین معاصی، مستفیدین اسے محسوس نہ کر سکے، اب قادر مطلق جل شانہ و عزیز ہانہ نے شاید ظاہر بینوں پر عالم برزخ کے ثواب و عقاب کے مسئلہ کو بطور اتمام حجت کے محسوس بھی کرا دیا فوالہ الحمد، واللہ یھادی من یشاء الی صراط مستقیم۔

میرے محترم بہ الفاظ دیگر کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اکابرین دیوبند کے ذریعہ ارحم الراحمین جل و علی شانہ نے رحمۃ اللعالمین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین افضل صلوات المصلین و اکمل تسلیمات المسلمین کے اس ارشاد کہ ثم یفتح لہ یداب الی السجۃ فیأتیہا من ریحہا الخ کی مزید تصدیق کا ابناء عصر و فضلاء دہر کیلئے ایک تازہ دروازہ کھول دیا وانشاء اللہ، الحمد للہ فہنیثا لکم ابناء الاکابر۔

آپ کی خوش بختی کا کیا کہنا کہ ایک طرف تو ایسا مجدا مجہد ملا، دوسری جانب اشرف العلماء

حضرت مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا والد ملا جس نے بہیدہ معلومہ و معبودہ حرم پاک اور غار حراء میں جذبات ایمانیہ کے ساتھ کافی وقت گزارا اور حرم بیت اللہ کے دروازہ پر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی، صرف ایک ہی لفظ کی ترمیم سے حضرت الاستاد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی و مہتمم مدرسہ سراج العلوم سرگودھا کے شعر کے مطابق۔

اشارتے چوں رسد کا ی شریف خستہ پنا
پرم برود روح کنم ثقل تن از و پزار
اور جنت المعلىٰ میں ابدی نیند سو گئے فرحمہ اللہ رحمة واسعة۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہمدی کے واسطے دارورن نہیں
اسباب ظاہریہ کے لحاظ سے اس کا ظاہر میں سبب واللہ اعلم آپ کی انتہائی سادگی، خاموشی اور لکھی تواضع کے ساتھ اپنے والد ماجد کی ہر حالت میں مکمل اطاعت اور فرماں برداری کی برکت سے خیر المدارس جیسے بہت بڑے اور عظیم ادارہ دینیہ کو حضرت مرحوم کے بعد نہ صرف سنبھالنا بلکہ عظیم سے عظیم تر درجہ پر پہنچانا تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو بلکہ خیر المدارس کی تمام روحانی اولاد کو اس عظیم نعمت کی بے قدری سے محفوظ رکھے، آمین۔ امین لا ارضی بواحدة حتیٰ اضم اليها الف امینا

خود حضرت مرحوم سے ادنیٰ سے ادنیٰ نسبت پر اتنا ہی تصور حاضر ہو کر عرض کر سکتا ہوں کہ
مازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
انتم بہ پائے خود کہ بگویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را
کودا منت گرفته بسویم کشیدہ است
مقام شکر ہے کہ برائے نام ہی سہی آج خیر المدارس کے شرکاء دورہ حدیث شریف کے
جم غفیر میں نجم المدارس کی جانب سے حامل رقعہ حافظ قاری خلیل الرحمن ڈیوی اور اس کا ساتھی مولوی
قاری حافظ محمد طیب کو ہائی بھی شریک ہیں فلاح الحمد والشکر۔

نسبت سے ہے دل آشنا کیا میٹھا ہے اس کا مزا
اس ربط سے میرے خدا ہرگز نہ دل آزاد ہو
ناکار نہ ہو تو قبرستان اولیاء کے سدرہ نشینوں جن میں دوا پنے مخدوم ہیں حضرت مرحوم اور
دوسرے حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور باقی مخدوم زادے ان سب کو میرا
سلام بھی پہنچا دیں۔
تخصیص اوقات کیلئے معذرت خواہ۔

ناکارہ عبدالمکریم غفرلہ ولوالدہ

فقید العصر حضرت مفتی عبدالشکور رزوی

(الامریة الفتنة) (الرد)

گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا (قسط ۲)

ارتداد کی تعریف

ارتداد کے لغوی معنی لوٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اسلام اور ایمان میں داخل ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کو کہتے ہیں، لغت کے امام علامہ راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات میں فرماتے ہیں وهو الرجوع من الاسلام الى الكفر (ص ۱۹۳) وہ اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ہے۔

ارتداد کی قسمیں

(۱) ارتداد کی ایک صورت تو یہ ہے کہ علامہ طور پر مذہب اسلام کو ترک کر کے کسی دوسرے مذہب یہودی وغیرہ کو اختیار کرے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ تبدیل مذہب کے بغیر شریعت کے کسی ضروری حکم کا انکار کر دے مثلاً نماز یا زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دے، یہ بھی ارتداد کی ہی صورت ہے کیونکہ کفر کیلئے ضروری نہیں ہے کہ مذہب بھی تبدیل کرے بلکہ شریعت کے ایک حکم قطعی ضروری کے انکار سے بھی کافر ہو جاتا ہے اگرچہ یہ شخص دوسرے تمام احکامات ضروریہ پر ایمان و یقین رکھتا ہو، اس لئے کہ جو حکم قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اور وہ ضروریات اسلام میں شمار ہوتا ہے اس کا انکار کرنا انکار رسالت کے مترادف اور ہم معنی ہے، جس طرح کسی حکومت کو تسلیم نہ کرنا بغاوت ہے اسی طرح کسی ایک قانون کا انکار بھی بغاوت ہے اگرچہ وہ اس ایک قانون کے سوا حکومت کے دوسرے تمام احکام اور قوانین کو تسلیم کرتا اور مانتا ہو۔

شیطان ابلیس کا کفر اور ارتداد بھی اسی دوسری قسم کا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت کا اقرار کرتا تھا اور یا رب کہہ کر انظر نسی الی یوم بیعتن کی درخواست کر رہا تھا، مگر سجدہ کے حکم کا انکار کرتا اور اس کو ناقابل عمل سمجھتا تھا اس لئے کافر ہو گیا الی واستکبر وکان من الکافرين اس نے

اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا اور کافر ہو گیا۔

مطلب واضح ہے کہ اس ایک حکم قطعی ربانی کے انکار سے شیطان کافر ہو گیا جبکہ پہلے مسلمان تھا اور پہلے معلوم ہو چکا کہ اسلام کے بعد کافر ہونے ہی کو ارتداد اور کافر ہونے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ الصارم المسلمون علی شاتم الرسول میں لکھتے ہیں کَمَا أَنَّ الرَّذَّةَ تَجَرَّدُ عَنِ السَّبَبِ فَكَانَ ذَلِكَ تَجَرُّدًا عَنْ قَعْدَةِ تَبْدِيلِ الدِّينِ وَإِرَادَةِ التَّكْذِيبِ بِالرِّسَالَةِ كَمَا تَجَرَّدُ كُفْرُ ابْلِيسَ عَنْ قَعْدَةِ التَّكْذِيبِ بِالرَّبَوِيَّةِ (ص ۳۷۰) یعنی یہ ضروری نہیں کہ نبی کی شان میں سب و شتم کرے یا تبدیلی مذہب کرے یا نبوت و رسالت کی تکذیب کرے، بغیر اس کے بھی ارتداد کا مستحق ہو سکتا ہے جیسا کہ شیطان کا ارتداد حکم خداوندی کے نہ ماننے کی وجہ سے تھا، خدا کی وحدانیت اور ربوبیت کے انکار کا ارادہ بھی نہ تھا۔

اس عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کفر و ارتداد کیلئے تمام ضروریات دین کا انکار ضروری نہیں بلکہ دین کی کسی ایک قطعی ضروری بات کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے جیسا کہ تمام ضروریات دین کا انکار کفر ہے، کفر و ارتداد کیلئے اسلام یا توحید و رسالت کا انکار ضروری نہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صرف سب و شتم توہین اور گستاخی بھی کفر و ارتداد کیلئے کافی ہے، سب و شتم اور گستاخی کرنے والا ویسا ہی کافر اور مرتد ہے جیسا کہ علانیہ طور پر مذہب اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے والا کافر و مرتد ہے۔

ارتداد کے اسباب

یعنی وہ امور جن کی وجہ سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی تصدیق ہر اس بات میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو بشرطیکہ اس کے ساتھ اطاعت کا اقرار بھی ہو ایمان و اسلام کیلئے ضروری ہے، جب ایمان کیلئے تمام ضروریات دین کا تسلیم کرنا ضروری ہے تو اسی سے معلوم ہو گیا کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرنا کفر و ارتداد کا سبب اور موجب کفر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے وجود اور تحقق کیلئے تو ان تمام احکام کی تصدیق ضروری ہے جن کا حکم نبوی ہونا قطعاً و یقیناً ثابت ہو چکا، ان سب کو قبول اور تسلیم کرنا ایمان اور اسلام کیلئے ضروری ہے،

مگر کفر کیلئے یہ ضروری نہیں کہ تمام احکام شریعت کا انکار کرے بلکہ ایک حکم قطعی بدیہی کا انکار بھی کفر کے تحقق کیلئے کافی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ (پ ۲ رکوع ۹) اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یعنی اسلام کے تمام احکام کو مانو، بعض احکام اسلامیہ کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ شیطان کی پیروی ہے۔

(۲) افْتَرَوْا مَنَظُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ الْآخِرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُزِمُّ الْقَضِيَّةَ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أشدَّ الْعَذَابِ (پ ۱۰ رکوع ۱۰) تو کیا مانتے ہو بعض کتاب اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا اور نہیں اس کی تم میں جو یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جائیں گے سخت سے سخت عذاب میں۔

اس سے واضح ہے کہ کتاب کے ایک حصہ کو ماننا اور ایک کو نہ ماننا صریح کفر ہے اور اس کی جزا دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب ہے۔

(۳) اَفْكَرَ لَمَّا جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّمَّا لَا تَهْتَدُونَ انْفُسَكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِقْنَا كَذِبْتُمْ وَفَرِقْنَا تَقْتُلُونَ ۝ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝ (پ ۱۱ رکوع ۱۱)

پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تم تکبر کرنے لگے، پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا دوسری کو قتل کر دیا اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے، بلکہ لعنت کی اللہ نے ان کے کفر کے سبب ہو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت میں ایک حکم کے نہ ماننے پر حکم لگایا گیا ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی ہے۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرِسَالِهٖ وَيُرْسِلُوْنَ اَنْ يَّفْرُقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرِسَالِهٖ وَيَقُولُوْنَ نُوْثٰنٌ مِنْ بَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرْسِلُوْنَ اَنْ يَّتَّخِنُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وَّاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مَّهِينًا ۝ (پ ۶ رکوع ۱) جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے

اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ کی راہ، ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا، اللہ پر ایمان لانا اور رسولوں پر نہ لانا اس کو کفر قرار دے کر ایسے لوگوں کے واسطے خبر دی گئی ہے کہ ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۵) وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَمْ يَفْرُقُوا بَيْنَ احَدٍ مِنْهُمْ وَلَوْ لَكَ سَوْفَ يَفْتَنِيهِمْ اِحْزَارُهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (پ ۶ رکوع ۱) اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا ان کے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

اس آیت کریمہ میں وضاحت فرمادی گئی کہ ایمان کیلئے جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ و رسول میں تفریق کفر ہے جیسا کہ آیت (۴) میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، اسی طرح ایمان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ رسولوں میں بھی باہم تفریق نہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے، اگر ان میں سے کسی پر ایمان لایا گیا اور کسی پر نہ لایا گیا تو وہ مومن اور مسلمان نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر کسی ایک رسول پر بھی ایمان نہ لایا گیا تو اس کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ ایک نبی کی تکذیب اللہ کی اور تمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے، یہود نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو حق تعالیٰ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والے قرار دیے گئے اور پکے کافر سمجھے گئے (حاشیہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی ص ۱۳۱)

مذکورہ بالا آیات کریمات سے واضح ہے کہ ایمان و اسلام کیلئے تمام احکامات اسلامیہ کو تسلیم کرنا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار اور تسلیم نہ کرنا کفر ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار یا اللہ تعالیٰ کے کسی رسول کا بھی انکار کفر ہے۔ اسی سے ارتداد کے اسباب کا علم بھی ہو جاتا ہے کہ جن جن احکامات قطعیہ بدرہیمہ کا انکار کفر ہے اگر یہ انکار اسلام کے بعد ہو گا تو اسی کا نام ارتداد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کفر کے اسباب ہیں وہی ارتداد کے اسباب بھی ہیں، جن وجوہ سے ایک شخص کافر ہو جاتا ہے ان ہی وجوہ و اسباب سے مرتد ہو جاتا ہے۔

بارگاہ خداوندی میں گستاخی اور توہین

حق تعالیٰ جل جلالہ و عظم نوالہ کی شان اقدس میں گستاخی کا کلمہ زبان سے نکالنا اور توہین و تنقیص بھی بالاجماع سبب کفر اور موجب ارتداد ہے۔

(۱) قتال السفاحی ابو الفضل لا اختلاف فی ان سبأ اللہ تعالیٰ کافر حلال الدم واختلاف فی استتابہ۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ خداوند ذوالجلال کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور واجب القتل ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر یہ شخص توہم کرے تو اس کی توہم دنیا میں بھی قبول کی جائے گی کہ نہیں، آخرت میں توہم قبول ہوگی۔ لیکن کیا اس توہم کی وجہ سے دنیا میں اس سے قتل ساقط ہو گیا نہیں، اس میں اختلاف ہے، جمہور کا قول یہی ہے کہ دنیا میں بھی اس کی توہم قبول کی جائے گی اور قتل اس سے ساقط ہوگا۔

(۲) علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

لا اختلاف فی ان سبأ اللہ تعالیٰ بمنسبۃ الکاذب او العجز ونحو ذلک من المسلمین کافر قتل و من الذمیین ایضا کافر حربی حلال الدم بل واجب السفک واختلاف فی استتابہ ای قبول توبہ (ص ۴۹۱ ج ۲) اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والا اس کی طرف کذب وعجز وغیرہ کی نسبت کرنے کے ساتھ کافر ہے، اس کا خون حلال اور قتل واجب ہے۔

(۳) نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ:

تیسری صدی ہجری کا واقعہ ہے کہ قرطبہ میں ایک شخص نے حق تعالیٰ شانہ کی شان رافع میں کچھ نازیبا کلمات زبان سے نکالے، شیخ عبدالملک بن حبیب مالکیؒ اور اصمعیل بن خلیل کے فتویٰ کے مطابق امیر اندلس عبدالرحمن بن حکم اموی (متوفی ۲۳۸ھ) کے حکم سے وہ شخص قتل کیا گیا اور عبرت کیلئے پھانسی پر لٹکا یا گیا (نسیم الریاض ص ۵۸۲ ج ۲)

(جاری ہے)

فتیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور رزوی

مقام رسول کریم ﷺ

کتاب وسنت کی روشنی میں (قسط ۷)

فاحش غلطی

سب سے زیادہ فاحش غلطی یہ ہے کہ اس پر غور نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کیلئے ہوتی تھیں اس لئے ہر نبی کے بعد الاحوال دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی، لیکن جب وہ نبی آ گیا جس کی نبوت کسی خطہ کسی قوم اور کسی زمانہ کے ساتھ متعین نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی موجودگی کے زمانہ میں۔

آپ کا دور نبوت دوسرے انبیاء کی طرح ختم نہیں ہوا، پس درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے ہاں نبی اور کوئی باقی نہیں رہا، جب آپ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں ست خم و خمخانہ با مہر نشاں ست

آپ کا تشریف لانا تمام جہان کیلئے رحمت ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خاتم بذات خود تمام جہاں کیلئے رحمت بن کر آ گیا ہے، اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ لگا رہتا تھا خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راستہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا، نہ کسی اور رسول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔

بعثت عام اور ختم نبوت

اگر آپ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بغیر رسول کے رہ جاتی، یہ بجائے رحمت کے ایک اور رحمت ہوتی اس لئے جب نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا تا کہ رہتی دنیا تک تمام انسان کامل و اکمل رسالت کے نیچے آ جائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں۔ اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت

ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپ کا ناقص ہونا ثابت ہوتا (العیاذ باللہ) اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو قابل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازمی ہو گیا۔

ظلی بروزی نبوت کی کوئی قسم نہیں ہے

تاریخ نبوت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں، ایک تشریحی دوسری غیر تشریحی اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں، تو اب نبوت کی ایک اور تیسری قسم (ظلی، بروزی اور بالواسطہ نبوت) کا تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔ قرآن وحدیث میں کوئی ایک آیت اور ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت میں سے کسی کو نبی کہا گیا ہو اور نہ ہی دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا نبی بتلایا جاسکتا ہے جو کسی نبی کے واسطہ اور اس کی اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو۔

احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کی نفی کر دی گئی ہے اور کسی تفصیل کے بغیر لایسی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں کہہ دیا گیا ہے اسی لئے آپ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جا رہا ہے، کسی حدیث سے ظلی، بروزی نبوت کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی، بہر آ خر کسی دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے؟ کیا آیت خاتم النبیین کے عموم میں محض اختراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کر کے قرآن کریم میں کھلی تحریف کا ارتکاب کر لیا جائے؟

فنائی الرسول اور اتباع کی وجہ سے بھی نبوت نہیں مل سکتی

اگر فنائی الرسول اور اتباع رسول کی وجہ سے کسی کو نبوت مل سکتی اور امت میں کوئی ہلکی سے ہلکی نبوت بھی جاری ہوتی تو صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کو ضرور اس سے حصہ دیا جاتا مگر حالت یہ ہے کہ شب ہجرت میں حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر ساری رات آپ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں، صدیق اکبرؓ راستہ کے ہر خطرناک موقع پر سر بکف حاضر ہیں مگر فنائی الرسول کے سمندر کے ان شناوروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہیں آیا، بلکہ اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا اور کسی کیلئے

لفظ نبی کی گنجائش نہیں دی گئی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک جاتے ہوئے حضرت علیؑ کو جب مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا اور امانا ترغیبی ان تکون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ میں اس علاقہ اور نسبت کا تذکرہ آیا جو صرف موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا تو لا اِنَّہ لا نبیۃ بعدی (رواہ مسلم) فرما کر اس غلط فہمی میں پڑنے سے امت کو بچالیا کہ حضرت علیؑ کی خلافت و جانشینی بھی کہیں حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح خلافت نبوت نہ ہو۔

تنبیہ : ایسی حدیثوں میں حضرت علیؑ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات گرامی سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے اسی لئے امت بمنزلہ ہارون نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیبت کے زمانہ میں کوہ طور جاتے ہوئے اپنی قوم کی نگرانی کیلئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا تھا اسی طرح اپنی غیبت میں تبوک جاتے ہوئے میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے تم نبی نہیں ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی کی بدولت ملتی اور وہ ظلی بروزی نبوت کہلاتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب اتباع رسول سے نبوت کے ملنے اور ظلی، بروزی، مجازی، کسی طرح کی نبوت کا بھی احتمال باقی نہیں رہا۔
محدث اور مکالم بھی نبی نہیں ہوتے

حضرت علیؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اخوت تھی اس کے باوجود نبی نہیں بن سکے، اس نسبت اخوت سے بڑھ کر انبیت کی نسبت ہے گمان ہو سکتا تھا کہ آپ کا کوئی فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا چنانچہ ان کے متعلق حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ صَدِیْقًا نَبِیًّا اَکْرَمًا اِیْمَ زَہْدَہ رَہْتِہ تَوْصِیْقِہ نَبِی ہوتے لیکن جس ذات قدیر و حکیم نے ختم نبوت کو مقدر فرمایا تھا اس نے ان کیلئے عالم تقدیر میں اتنی عمر ہی نہیں لکھی کہ ان کی علو استعداد ظاہر ہو سکے اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فطرت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اقدس سے وابستہ ہو جانے کے بعد کمالات نبوت کا کیسا انعکاس ہوا تھا اور آپ کی فطرت کو نبوت سے کتنی مناسبت تھی وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے سایہ سے شیطان ترساں و لرزاں رہنے

لگے تھے اور جس راستہ سے عمرؓ نکل جائیں تو شیاطین وہ راستہ ہی چلنا چھوڑ دیا کرتے تھے، وہ بولتے تھے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ وحی الہی ان کی موافقت میں بولتی تھی، وہ علم من اللہ اور محدث امت تھے مگر ان سب اوصاف و کمالات کے باوجود بھی ان کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے لہذا ان میں بعدی لہذا ان عمر اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا، اس سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ محدث اور مکلم بھی نبی نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں، نتیجہ واضح ہے کہ محدث نبی نہیں ہوتا، حدیث میں بھی من غیر ان یکونوا انبیاء مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے کہہ کر محدث کے نبی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت عمرؓ اگر نبی کہلاتے تو ظاہر ہے کہ مجازی طور پر ہی کہلاتے مگر جب وہ بھی نبی نہیں کہلاتے تو پھر امت میں کسی دوسرے کو نبی کہلانے کا استحقاق اور جواز کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

اگر بشرات نبوت کا جزء ہیں تو کیا ان کو نبوت کہا جاسکتا ہے؟

احادیث میں ایک طرف تو رؤیا صالحہ کو نبوت کا چھبیسواں جزء کہا گیا ہے دوسری طرف بعض بلاد اخلاق کو چھبیسواں جزء قرار دیا گیا ہے، حدیث میں ہے النبوة والافتصاد وحسن السمات من ستة وعشرين جزء من النبوة ہر مرد باری و متانت، میانہ روی اور اچھی روش نبوت کا چھبیسواں جزء ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جاسکتا، جب چھبیسویں جزء کو نبوت نہیں کہا جاتا تو چھبیسویں جزء کو نبوت کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغائر ہوتا ہے دیکھئے یہی کلمات جن کا مجموعہ اذان کہلاتا ہے علیحدہ علیحدہ اذان نہیں کہلاتے، عناصر اربعہ انسان کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا، مثلاً پانی انسان کا ۴/۱ حصہ ہے مگر انسان نہیں ہے، تو رؤیا صالحہ نبوت کا چھبیسواں جزء ہو کر نبوت کیسے ہو سکتا ہے؟

افراد: رؤیا صالحہ نبوت کے حقیقۃً اجزاء نہیں ہیں کیونکہ نبوت کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں ہے جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو، وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفاء اور اجتہاد پر موقوف ہے، ہاں اس کے کچھ خصائص و لوازم ہیں جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے کیونکہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہوتا ہے، مگر اہل عرف کے نزدیک ان خصائص و فضائل ہی کو مجازاً اجزاء کہہ دیا جاتا ہے۔

(جاری ہے)

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

تبلیغ بذریعہ فلم

مسلمانوں کیلئے اس سے زیادہ اور کیا ڈوب مرنے کا مقام ہوگا کہ جن سینما ہالوں میں دن رات انسانییت، شرافت اور شرم و حیا کا دامن تارنا رکھا جاتا ہو، جہاں عریانی اور فحاشی کا عفریت شب و روز ننگا چلتا ہو، جہاں صبح و شام بہیمانہ حرص و ہوس کے بھوت دندتے ہوں، جہاں انسانییت سے غیرت و عصمت کے تمام لبادے فوج کرا سے کتوں اور گدھوں کے ہم جنس بنادیا گیا ہو انہی سینما ہالوں اور انسانییت کی انہی قتل گاہوں میں عہد رسالت کے اس معاشرے کو ایک کھیل بنا کر پیش کیا جائے جس کے نام سے اس روئے زمین پر انسانییت و شرافت، حیاء و عفت و اخلاق کی آبرو قائم ہے۔ مسلمانوں کیلئے اس سے بڑی بے غیرتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اخبارات کے جس صفحہ پر برہنگی، حیوانیت، ہوسناکی اور درندگی کا جہنم دکھا ہوا ہوتا ہے اسی صفحہ پر عہد رسالت کے ان صحابہ رضی اللہ عنہم و صحابیات رضی اللہ عنہن کی فرضی تصویریں شائع ہوں جن کی پاکبازی کی تعریف میں الفاظ اور بیان کے سانس ٹوٹ جاتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر یہ کیوں فرض کر لیا گیا کہ اسلام کی تبلیغ اور لوگوں کو متاثر کرنے کیلئے ہر طریقہ استعمال کرنا جائز ہے خواہ وہ اسلامی اصولوں کے کتنا خلاف ہو، اگر تبلیغ اسلام کی خاطر اس دلیل کو قبول کر لیا جائے تو کل کو یہی دلیل نفس نفیس سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ دکھانے کیلئے بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

تبلیغ اسلام کا اتنا درد رکھنے والے ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے اپنی تبلیغ کیلئے بھی کچھ خاص اصول مقرر فرمائے ہیں، جو تبلیغ ان اصولوں کو توڑ کر کی جائے وہ اسلام کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے، یہ کوئی عیسائیت یا کمیونزم نہیں ہے جو اپنے نظریات کے پرچار کیلئے ہر جائز و ناجائز طریق کار کو روارکتا ہو، جسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کیلئے اپنے اکابر کی حرمت کا بھی پاس نہ ہو اور جو دنیا میں محض اپنے ہم نوائوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اپنی عورتوں کی عصمت بھی داؤ پر لگانے کیلئے تیار ہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی زمانے یا کسی خطے کے لوگ موسیقی کے ذریعہ اسلام کی طرف مائل ہو سکتے ہیں تو کیا تبلیغ اسلام کی خاطر طبلے، سارنگی پر قرآن سنانے کی اجازت دے دی جائے گی؟ اگر کسی علاقے کے لوگوں کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ دیکھ کر مسلمان ہونا ممکن ہو تو کیا مسلمان معاذ اللہ آپ کی فرضی

تصویر شائع کرنے کو تیار ہو جائیں گے؟ اگر مسلم عورتوں کے قصص و سرور سے متاثر ہو کر کچھ لوگ مسلمان ہونے پر آمادہ ہوں تو کیا ان کے پاس تبلیغ اسلام کیلئے رقاصاؤں کے طائفے بھیجے جائیں گے؟

یہ آخر کیا طرز فکر ہے کہ دنیا میں جس جس برائی کا چلن عام ہو جاتا ہے اسے نہ صرف جائز اور حلال کرتے جاؤ بلکہ اسلام کی تبلیغ و ترقی کیلئے اس کے استعمال کو بھی ناگزیر قرار دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سیرت طیبہ کو فلما کر اسے تبلیغ اسلام کا نام دیا جا رہا ہے اس سیرت طیبہ کا سبق تو یہ ہے کہ حق کی تبلیغ و اشاعت صرف حق طریقوں سے ہی کی جاسکتی ہے، اگر حق کی تبلیغ کیلئے اس میں کسی باطل کی آمیزش اسلام کو کوارا ہوتی تو عہد رسالت کے مسلمانوں کو وہ اذیتیں برداشت نہ کرنی پڑتیں جن کے واقعات پر اس فلم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ عہد رسالت کے مسلمانوں کو سب سے بڑی تربیت تو یہ دی گئی تھی کہ وہ اپنے آپ کو زمانے کے ہر غلط بہاؤ کے آگے سپرد ڈالنے کے بجائے زندگی کی آخری سانس تک اس سے لڑنے اور اسے صحیح سمت کی طرف موڑنے کی جدوجہد کریں اور اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں انہیں خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنے کی عادت ڈالیں، اگر یہ بزرگ ایسا نہ کرتے اور زمانے کی ہر پھیلی ہوئی برائی کے آگے ہتھیار ڈالتے جاتے تو آج دین کی کوئی قدر بھی اپنی اصلی شکل میں محفوظ نہ رہ سکتی۔

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں بھی دنیا کے لوگ کھیل تماشوں کے شیدائی تھے اور انہیں تبلیغ کرنے کیلئے بھی ایسے تماشے ایجاد کئے جاسکتے تھے جو ان کے دل بھاسکیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ڈراموں اور ناکوں کے ذریعہ دنیا کو بے وقوف بنانے کے بجائے اپنے مثالی کردار اور حسن عمل سے ہی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور دنیا کی آخری حدود تک تو حید کا پرچم لہرا کر چھوڑا، آج اگر ہم تبلیغ اسلام کی خاطر اپنا نفرت انگیز کردار عمل چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور محض فلمیں بنا کر اور ڈرامے رچا کر اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایک ایسا خیال خام ہے جس کا موجد شیطان کے سوا اور کوئی نہیں، اس طرح جس ذہنیت کی تبلیغ کی وہ اور خواہ کچھ ہو اسلام نہیں ہو سکتی۔

بعض دوسرے لوگوں کے ذہن میں بھی کبھی کبھی اس قسم کے خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں کہ فلموں کو تبلیغ اسلام کیلئے استعمال کرنے میں کیا حرج ہے؟ لیکن ہم پہلے بھی ”فجر اسلام“ نامی فلم پر تبصرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ یہ خیال شیطان کے بدترین دھوکہ کی پیداوار ہے، اول تو فلموں کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا تصور آگ سے پانی حاصل کرنے کی کوشش کے مترادف ہے، فلم جس انداز

سے نفی ہے، اس کو جاذب توجہ بنانے کیلئے جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، جس ماحول میں ان کی نمائش کی جاتی ہے اور جن جذبات کے ساتھ لوگ اسے دیکھنے کیلئے جاتے ہیں وہ انسان کو کسی پاکیزہ عقیدے یا عمل کی طرف دعوت دینے کی صلاحیت سے قطعی محروم ہیں، فلم کا اصلی مقصد انسان کی نفسانیت کیلئے غذا فراہم کرنا ہوتا ہے اور لوگ اسی غرض سے اسے دیکھنے کیلئے جاتے ہیں، لہذا کوئی لطیف اور پاکیزہ روحانی تحریک پیدا کرنا اس کے بس سے باہر ہے، اور اگر بالفرض کوئی ناپختہ ذہن فلم کے ذریعہ کوئی وقتی اثر قبول کر بھی لے تو نہ صرف یہ کہ وہ انتہائی ناپائیدار اور غیر سنجیدہ اثر ہوتا ہے بلکہ اس کی بنیاد بھی نفسانیت ہی ہوتی ہے جس پر روحانیت کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ اور تبلیغ دین سے اسلام کا مقصد یہ کبھی نہیں رہا کہ جس طرح اور جس طریقے سے ممکن ہو ایسے سطحی متلون مزاج اور جذباتی ہم نواؤں کی زیادہ سے زیادہ بھینڑا کٹھی کر لی جائے جو وقت بے وقت اس کی حمایت کا نعرہ بازی کر سکیں، بلکہ تبلیغ دین کا مقصد ایسے سنجیدہ لوگ تیار کرنا ہے جو پوری طرح سوچ سمجھ کر اسلام کو قبول کریں، اس کی حقیقی روح کو پہچانیں، بندگی کے تقاضوں سے بہرہ ور ہوں اور اپنی نفسانی خواہشات کو اعتدال پر لا کر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کریں، اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد مصنوعی سوانگ بھر کر کھیل تماشے دکھانے اور ناک رچانے سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس لئے اسلام نے جہاں ہمیں تبلیغ دین کا حکم دیا ہے وہاں اس کے کچھ اصول و آداب بھی بتائے ہیں، ان اصول و آداب کو تو ذکر اور اسلامی تعلیمات کو پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ اسلام کی نہیں کسی اور مذہب کی تبلیغ ہوگی اور اگر بالفرض اس تبلیغ سے کوئی ہم نوا جماعت تیار ہوئی بھی تو وہ اسلام کی مطلوب جماعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ہمیں معلوم ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے بہت سے مذاہب اور نظریات نے اپنی اشاعت اور تبلیغ کیلئے وہ سارے صحیح و غلط طریقے اختیار کئے ہیں جن سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانی جاسکے، اس غرض کیلئے رقص و سرور کی محفلیں بھی گرم کی گئیں ہیں، مال و دولت اور حسن و شباب کا لالچ بھی دیا گیا ہے اور اپنے اسلاف کی عزت و ناموس کو بھی بھیشت چڑھانے سے دریغ نہیں کیا گیا لیکن اسلام اپنی دعوت و تبلیغ کیلئے ان طریقوں کو اختیار کرنے سے معذور ہے کیونکہ اس کا مقصد محض مردم شماری کے رجسٹر میں مسلمانوں کی تعداد بڑھانے سے حاصل نہیں ہوتا، وہ ایک اصولی اور عملی دین ہے، اس کا مقصد انسانیت کی اصلاح اور قلب کی تطہیر ہے، وہ اپنی تبلیغ کے نام پر وہ راستے اختیار نہیں کر سکتا جو انسانیت کو جاہلی کی طرف لے جاتے ہیں۔ (بھنگریہ مابین اسلام و ابلاغ)

مفتی محمد عبداللہ فیصل آباد

حرمت سید الکونین ﷺ

المحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى : ارشاد ربانی ہے النبیؐ اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم وازواجه واولادہم (الاحزاب) نبی ﷺ ایمان والوں کے ساتھ ان کے نفس سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور ان کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدة وولده والناس اجمعین تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ماں، باپ، اولاد اور باقی تمام اشخاص سے بڑھ کر محبت نہ ہو، اور فرمایا من احبنی کان معی فی الجنة جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

سرکارِ دو عالم، رحمۃ اللعالمین، خاتم الانبیاء، سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا امت پر ایک اہم ترین حق یہ بھی ہے کہ آپ سے محبت کی جائے اور آپ کی تعظیم و تکریم کی جائے، کتاب اللہ کا بھی یہی حکم ہے، احادیثِ نبویہ میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے اہل اسلام حضور سے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں اور ناموس رسالت پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی اہل اسلام کیلئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، جب بھی کسی نے ایسی مذموم حرکت کی تو اس پر شدِ بدغم وخصہ کا اظہار کیا گیا اور ہر ایسے ملعون کو نشانِ عبرت بنانے کی کوشش کی گئی، مثلاً:

(۱) عصماء نامی ایک یہودی عورت حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتی ہے آپ کو ایذا پہنچاتی ہے تو حضرت عمیر بن عدیؓ ایک نابینا صحابی ہیں اس کے گھر جاتے ہیں اور جا کر اسے جہنم رسید کر دیتے ہیں، واپس آ کر حضور ﷺ کو اس کی اطلاع دیتے ہیں تو آپ بے حد مسرت کا اظہار فرماتے ہیں اور صحابہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی تو عمیر بن عدیؓ کو دیکھ لو (سیرۃ المصطفیٰ ص ۱۶۵ ج ۲)

(۲) ابو علفک نامی یہودی شخص بھی حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا اور آپ کو تنگ کرتا،

جب اس کی دریدہ دہنی حد سے گذر گئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من لی بهذا الخبیث کون ہے جو میرے لئے یعنی میری عزت و احترام کیلئے اس خبیث کا کام تمام کر دے، حضرت سلمہ بن عمیرؓ یہ سنتے ہی تلوار لے کر روانہ ہوئے اور جا کر اس کا کام تمام کر دیا (سیرۃ المصطفیٰ ص ۱۶۷ ج ۲)

(۳) کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار بھی آپ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتا ہے تو ایک دن آپ ﷺ صحابہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے کون کعب بن اشرف کے قتل کیلئے تیار ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ایذا پہنچائی ہے، یہ سنتے ہی محمد بن مسلمہ تیار ہو گئے اور آپ ﷺ سے کعب بن اشرف کے قتل کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی تو انہوں نے ایک تدبیر کے ذریعے اسے جہنم واصل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا، آپ ﷺ نے ان کے اور ان کے ساتھیوں کے متعلق فرمایا: افسحت الرجوزہ یعنی ان چہروں نے فلاح پائی اور کامیاب ہوئے (سیرۃ المصطفیٰ ص ۱۷۵ ج ۲)

(۴) تقسیم ہند سے پہلے لاہور کے راجپال نامی ایک ہندو نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو علم الدین نامی اکیس سالہ نوجوان جو عالم و فاضل تھا نہ دنیوی اعتبار سے تعلیم یافتہ وہ سیدھا سادہ جفاکش قسم کا ناخواندہ نوجوان تھا، لیکن اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کی شمع روشن تھی، اسے جب امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زبانی اس گستاخ کا علم ہوا تو جا کر اس گستاخ رسول راجپال کو جہنم رسید کر دیا، علامہ اقبال مرحوم کو جب غازی علم الدین کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے نہایت گلوگیر لہجے میں کہا ہم باتیں ہی بناتے رہے اور ترکھان کا بیٹا بازی لے گیا۔

اسی طرح تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں ہزاروں مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ناموس رسالت اور ختم نبوت کا تحفظ کیا، ان جیسے واقعات سے تاریخ بھری ہوئی ہے کہ مسلمان ناموس رسالت کے تحفظ کیلئے اپنا تن، من، دھن قربان کرنے کیلئے ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔

حال ہی میں بعض یورپین اخبارات نے ہمارے عظیم آقا، امن و عدل کا سبق دینے والی، مجسمہ رحمت جنہوں نے صرف اپنے ماننے والوں کے ہی نہیں بلکہ نہ ماننے والوں کے بھی حقوق بتائے ایسی عظیم شخصیت پر جسارت کرتے ہوئے ان کے خاکے بنائے تو اس فتنہ حرکت پر سعودی عرب، صومالیہ، عراق، شام، لیبیا، کینیا، البانیہ، انگلینڈ، فرانس اور پاکستان غرض یہ کہ تمام براعظموں میں بسنے

والے اہل اسلام ہر اپنا احتجاج بن گئے، جلوس نکل رہے ہیں، نعرے کونج رہے ہیں، گستاخان رسول کی مصنوعات کا بایکاٹ ہو رہا ہے، سینے شق ہو رہے ہیں، آنکھیں اہل ربی ہیں یہ سب کچھ ہونا ہی تھا سو ہو رہا ہے، مسلمان کتنا گیا گذرا ہی سہی اس کے دل کے کسی نہ کسی کونے میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا چراغ جل رہا ہوتا ہے، اس کی لود ہم ہی سہی مگر وہ روشن ضرور ہوتا ہے۔

اس ناروا حرکت پر دوسرے ملکوں کی طرح ملک عزیز پاکستان کی غیور عوام بھی سراپا احتجاج ہے، تمام چھوٹے بڑے شہروں میں جلوس نکل رہے ہیں، ریلیاں نکالی جا رہی ہیں اور یہ سب کچھ ضروری بھی ہے تاکہ دشمنان دین جان لیں کہ مسلمان اپنے آقا کی ناموس کے تحفظ کیلئے بیدار ہیں، پورے ملک کا اس احتجاجی لہر میں عوام کے تمام طبقات تاجر، وکلاء، ڈاکٹرز، علماء، طلباء اور مزدور وغیرہ نے شرکت کر کے محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مظاہرہ کیا اور اپنے لئے شفاعت رسول کا راستہ ہموار کیا۔

اس خطرناک صورت حال میں عوام الناس، علماء، سیاسی جماعتوں کے لیڈروں، حکومت پاکستان، عالم اسلام اور پوری عالمی برادری پر ایک بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

عوام سے اپیل

گھیراؤ، جلاؤ اور توڑ پھوڑ سے اجتناب کریں۔۔۔ عوام کی خدمت میں اپیل کی جاتی ہے کہ اس گستاخانہ حرکت پر اپنا پرامن احتجاج مسلسل جاری رکھیں، یہ احتجاج محض وقتی نہ ہو بلکہ مسلسل جاری رکھا جائے لیکن اس احتجاج میں تمام ملکی اور عوامی املاک کو جانے، نقصان پہنچانے اور توڑ پھوڑ کرنے سے پوری طرح گریز کریں، نہ خود یہ کام کریں نہ شریک عناصر کو ایسا کرنے دیں اس لئے کہ ایسی حرکتیں کسی بھی تحریک کے مؤثر اور دیر پا ہونے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں اور مقصد حاصل کرنے سے محروم کر دیتی ہیں۔

احتجاج کے طریقے

(۱) پرامن طریقے سے سڑکوں پر نکل کر احتجاج ریکارڈ کروائیں۔

(۲) اس فتنہ حرکت میں عملاً یا حمایت کسی بھی طرح سے شریک ہونے والے ممالک کی مصنوعات کا زبانی ہی نہیں عملاً بایکاٹ کریں۔

(۳) فحاشی، عریانی اور بے راہ روی جو یورپ اور دیگر کافر حکومتوں کی کوششوں سے مسلمان

معاشرے میں بڑی تیزی سے پیدا کی جا رہی ہے اس کا سدباب اور اس کے آلات ٹی وی، کیبل وغیرہ سے اپنے گھروں کو پاک کریں۔

(۴) عملی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کا ثبوت دینے کیلئے اپنی شکل و صورت، اپنا لباس اور اپنی پوری زندگی میں اتباع سنت اپنائیں۔
علماء سے اپیل

حضرات علماء کی خدمت میں یہ اپیل کی جاتی ہے کہ اپنی تقاریر اور بیانات میں عوام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت سے روشناس کرائیں اور اس ناپاک حرکت پر انہیں مسلسل احتجاج کرنے کی ضرورت کا احساس دلائیں اور یہ بھی عوام کے ذہنوں میں بٹھائیں کہ وہ احتجاج کے دوران املاک کو نقصان پہنچانے اور توڑ پھوڑ جیسی حرکتوں سے باز رہیں۔

سیاسی زعماء کی ذمہ داری

سیاسی و مذہبی جماعتوں، ان کے لیڈروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے تحفظ ناموس رسالت کی تحریک کو ہر اعتبار سے منظم، مکمل طور پر پرامن اور دیر پا بنانے کی کوشش کریں اور ہر ایسے اقدام اور طرز سے اجتناب کریں جس سے دنیا اور دشمنان اسلام کو یہ تاثر ملے کہ اس معاملے میں قوم کے اندر یکجہتی نہیں پائی جاتی اور وہ تقسیم کا شکار ہے۔

حکومت کا فریضہ

حکومت اور ارباب حل و عقد سے اپیل ہے کہ جہاں ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس مقدس تحریک کو مضبوط بنائیں اور اس کے بارے میں قوم کو متحد رکھیں، ان کے پرامن احتجاج کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے سے گریز کریں وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ملک میں رائج توہین رسالت کے آئین میں ترمیم کے ارادے نہ صرف یہ کہ ترک کر دیں بلکہ اسے مزید مؤثر بنائیں اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کی کوشش کریں تاکہ بیرون ملک والی اس ناپاک حرکت کی دیکھا دیکھی یا کسی دشمن کی سازش کی وجہ سے ملک کے اندر کسی بد باطن شخص کو اس جیسی حرکت کی جسارت نہ ہو جس سے قوم مزید اضطراب کا شکار ہوگی اور ان کے غم و غصہ کو کنٹرول کرنا مشکل ہوگا جو خود حکومت کیلئے بھی انتہائی خطرناک ہے، حکومت پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مذموم حرکت کے ذمہ داروں

کے خلاف موثر کارروائی کیلئے اپنا اثر و رسوخ اور دباؤ استعمال کرے اور آئندہ کیلئے اس کے سید باب کے سلسلے میں داخلی سطح پر قومی یکجہتی پیدا کرنے کیلئے اقدامات کرے اور دیگر اسلامی ملکوں کے تعاون سے اپنا عالمی وزن بھرپور اور موثر انداز سے استعمال کرے۔

عالم اسلام سے اپیل

عالم اسلام سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے مشترکہ جذبات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور تمام اسلامی ممالک آپس کے اختلاف کو پس پشت ڈال کر اپنے مذہبی اور دینی مفادات کے تحفظ کیلئے آپس میں اتحاد پیدا کریں اور ایک اسلامی بلاک کی تشکیل کیلئے موثر اور بھرپور اقدامات کریں، اگر عالم اسلام نے یہ موقع گنوا دیا تو آئندہ شاید ایسا موقع کبھی نہ ملے اور دشمنان اسلام ایک ایک کر کے اسلامی شعائر اور مقدس شخصیات کی تضحیک کرتے رہیں گے اور عالم اسلام کیلئے اس رسوائی کو برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

عالمی برادری کی ذمہ داری

اس حساس صورت حال میں عالمی برادری پر سب سے زیادہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اسے چاہئے کہ وہ اسے محض آزادی اظہار رائے کا مسئلہ سمجھنے کی بجائے اس کی سنگینی کو سمجھے اور اسے تعصب کی عینک اتار کر صحیح تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرے، اس حرکت سے جہاں مغرب اور اسلام کے تعلقات خراب ہوں گے وہاں یہ تہذیبوں کے تصادم اور دیگر مذاہب کے رہنماؤں اور روایات کی تضحیک کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی وجہ سے متعلقہ ممالک کی حکومتیں اور ان کے شہری عدم تحفظ کا شکار ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ اس حرکت کو کسی صورت میں برداشت نہیں کریں گے بلکہ تمام دنیا کے ممالک اور ان کے شہریوں کا تحفظ اسی میں ہے کہ عالمی برادری ایسے واقعات کی روک تھام کا مناسب بندوبست کرے جس کی واحد صورت یہی ہو سکتی ہے کہ پاکستان کی طرح عالمی سطح پر تحفظ ناموس رسالت کیلئے قانون سازی کی جائے اور قویٰ بین رسالت کے مجرم کو مزائے موت کا مستحق قرار دیا جائے اور تمام ممالک کو اس قانون پر عمل درآمد کرنے کی تاکید کی جائے تاکہ دنیا کی باہمی احترام پر مبنی پر امن فضا میں زندگی گزارنے کی خواہش پوری ہو اور ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مولوی عابد محمود حقانی

اسم محمد ﷺ

فضائل و مناقب اور خصوصیات

تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کیلئے ہیں جس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو تمام کائنات اور کل عوالم کیلئے رحمت، شمع ہدایت اور سراج منیر بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کو بلحاظ مرتبہ و رفعت کے ممتاز اور سید الانبیاء کی ذات اقدس و بزرگ تر کو اہل عالم کیلئے مثالی نمونہ قرار دیا۔

محمد عابد حمد خدا بس خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس

نیز جس طرح رب السموات والارض نے دیگر انبیاء کا تعارف کرایا اور ان کے اوصاف و کمال بتلائے اور ان کے ناموں کو عزت و ادب کے ساتھ پکارنے کا حکم دیا تو اسی طرح آپ ﷺ کا تعارف اور ان کے اوصاف جمیلہ و حسنہ بتلائے اور آپ کے اسماء مبارکہ کا تذکرہ کیا۔

مگر واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مسمیٰ کے کمالات نبوت کا شاہد عدل ہو، بطور نمونہ چند اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے:

آدم: کے معنی گندم کوں ہیں، ابوالبشر کا یہ نام ان کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔ نوح: کے معنی آرام ہیں، باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔ اسحاق: کے معنی ضاحک یعنی ہنسنے والا ہیں، ہشاش بشاش چہرہ والے تھے۔ یعقوب: چچھے آنے والا، یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ تو ام پیدا ہوئے تھے۔ موسیٰ: پانی سے نکلا ہوا، جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا تب یہ نام رکھا گیا۔ یحییٰ: عمر دراز، بڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوؤں کا ترجمان ہے۔ عیسیٰ: سرخ رنگ، چہرہ گملگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اسماء بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کسی طرح مسمیٰ کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے، مگر اسم محمد کی شان خاص ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۴)

آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی میں وہ محبوبیت اور کشش ہے جو کسی دوسرے کے نام میں نہیں ہے اور آج تک دنیا میں جس نام کو عزت، محبت اور کثرت سے لیا جاتا ہے وہ صرف اور صرف اسم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہی وہ نام ہے جس نے قریش مکہ کے دلوں پر نشتر کا کام کیا، قریش مکہ اس نام سے بغض کی بنا پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسم محمد کی بجائے اسم مذمم (العیاذ باللہ) سے پکارتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دفاع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے الاتعجبون کیف یصرف اللہ عنی شتم قریش والعنہم یشتمون ماذمنا وانا محمد (بخاری شریف ص ۵۰۵ ج ۱)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: قریش مکہ میں سے کفار لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اپنی زبان سے نہیں لیتے تھے کہ اس اسم میں آپ کی تعریف اور مدح و ثنا کا اظہار ہوتا ہے بلکہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی بات کہنا چاہتے تو یوں کہتے تھے فعلی اللہ بمعنہم کذا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اسم مبارک کا تحفظ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ ”میں تو محمد ہوں اور کفار مکہ مذمم کی بات کرتے ہیں“ (فتح الباری ۶/۲۹ ج ۷)

اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے بھی اسماء گرامی اور نام ہیں وہ تمام کے تمام ان صفات اور خوبیوں سے بنے ہوئے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں اور جن صفات کی وجہ سے آپ کی تعریف بھی ضرور ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل ترین انسان ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ ہر وصف اور خوبی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام بنتا ہے، جس طرح اللہ رب العزت کے ہزار نام ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں (سیرت حلبیہ ص ۲۵۵ ج ۱)

آپ ﷺ کا اسم گرامی جس قدر عزت و عظمت و دلی محبت سے لیا جاتا ہے آج تک کسی بھی انسان کا خواہ وہ کسی بھی درجہ اور اعلیٰ مرتبہ کا مالک ہو نہیں لیا جاتا، اور سچے مسلمان کا قلب تو آپ ﷺ کے نام لینے سے خوشی سے سرور اور باغ باغ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے بعض خاندانوں میں تو مسلسل محمد ہی نام رکھا جاتا تھا جیسا کہ تونس (نامی جگہ) کے ایک عالم باعمل کا نام ایمن ابوالبرکات محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد (۱۳ پشت تک) ہی تھا، انہوں نے مدینہ منورہ میں کافی زمانہ گزارا، جب وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ تو نے کس طرح ہماری جدائی کو ارا کر لی؟ چنانچہ وہ واپس لوٹ آئے اور وہیں (مدینہ منورہ میں ہی) ۲۴ھ میں انتقال فرمایا (بامحمد بابو قارص ۲)

بعض عشاق نے تو اموات کیلئے بھی قبرستان میں اس عظمت و وقار کو شان اتیا ز دے کر محمد یوں کے لئے علیحدہ قبرستان بنائے تھے جیسا کہ سمرقند کے شہر ماکردین میں ایک قبرستان ہے جس کا نام نربة المحمدين ہے جس میں صرف ان ہی اموات کو دفن کیا جاتا ہے جن کا نام محمد ہو، چنانچہ چھٹی صدی ہجری تک اس قبرستان میں چار سو سے زیادہ اہل علم اور صاحب تصنیف و افتاء مدفون تھے۔ جب ۵۹۳ھ میں شیخ الاسلام علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کا انتقال ہوا تو ان کو بھی اس قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی گئی کہ ان کے نام میں محمد کا پیارا کلمہ موجود نہ تھا، چنانچہ ان کو قریب ہی اس قبرستان کے باہر دفن کیا گیا (بامحمد باوقار ص ۲۲)

اور اسی عشق و محبت کی وجہ سے حضرت قطب الاقطاب ابوحنیفہ وقت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک صاحبزادے کا نام محمد محمود احمد رکھا تھا جو آپ کی حیات ہی میں رحلت فرما گئے تھے۔ الغرض اسم محمد میں وہ لگاؤ اور کشش ہے جو کسی دوسرے نام میں موجود نہیں، اور اگر اس کے لغوی معنی میں غور کیا جائے تو اس میں ایک پیشین کوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب والشہادۃ کی طرف سے جملہ عوالم و اہل عالم پر یہ راز آشکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسکن کی مدح و ثناء دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ توالی اور تواتر کے ساتھ کی جائے گی۔

آخر وہ کون ہے جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب میں ساری ہے، اور وہ کون ہے جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے، اور وہ کون ہے جس کی تعلیم کی وسعت بر و بحر پر چھائی ہوئی ہے؟ بے شک وہ محمد کی عظیم ہستی ہے، اسم بھی محمد ہے اور مسکن بھی محمد ہے، اور حمد کو اس کی ذات باریکات سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ محمد ہے، اور اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر و مدح خواں ہے، اور وہ احمد ہے، اور اسی لئے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرات سے بڑھ کر اپنے خالق کی حمد و ثنا کی ہے، ہاں وہ محمد ہے اور کل دنیا اس کی مدح ہے، اور وہ احمد ہے کہ کل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔

ترا محمد و احمد زمین و آسمان و زمان

حمید باشد و محمود ذات ربانی

نہ برتر از تو کے گفت حمد سبحانی

(جاری ہے)

مولوی محمد غیاث الدین سرگودھا

محبت رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لَا يَزُومَنَّ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ یعنی تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل میں میری محبت اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی ہر ادائیگی ہو، محبت نبوی ﷺ کا یہ معیار امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، انسان اور خصوصاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ سے محبت کر کے عمل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ سے محبت کا اصلی اور حقیقی معیار حضور ﷺ کی صداقت اور تقدس کو دنیا کی ہر چیز پر عملاً ترجیح دینا ہے، اگر یہ ترجیح ہے تو محبت صادق ہے اور اگر ترجیح نہیں تو محبت صادق نہیں، لہذا ایسی صورت میں محبت کا محض دعویٰ ہوگا حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اور یہ دعویٰ آپ ﷺ کی ختم نبوت کو ترجیح دیے بغیر حاصل نہیں ہوگا، جہاں انسانوں کے محبت کے اس معیار پر اترنے کے واقعات بے شمار ہیں وہاں حیوانوں کے واقعات بھی کم نہیں۔

ایک واقعہ مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے شواہد نبوت میں اور مولانا دیرمیؒ نے حیوان الکبریٰ میں نقل کیا ہے کہ جنگ خیبر میں فتح کے بعد مال غنیمت تقسیم ہوا تو حضور ﷺ کے حصہ میں ایک گدھا آیا، مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سواری کے تین معیار ہوتے تھے:

(۱) جب حضور ﷺ نے لمبا سفر کرنا ہوتا تو آپ ﷺ اونٹ پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۲) معمول کا سفر کرنا ہوتا تو گدھے پر تشریف لے جاتے تھے۔

(۳) جب آپ ﷺ نے کسی جگہ تیزی اور جلدی پہنچنا ہوتا تو گھوڑے پر جایا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کے حصہ میں جو گدھا آیا اس پر آپ ﷺ نے سواری فرمائی اور گدھے سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ گدھے نے کہا میرا نام یزید بن شہاب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج سے تیرا نام یعمور ہے، پھر پوچھا تیرے مالک کا نام کیا ہے؟ گدھے نے جواب دیا یا رسول اللہ میرے مالک کا نام مرحب ہے اور وہ ایک متعصب یہودی تھا اور وہ اکثر اوقات آپ ﷺ کا نام سن کر ماتھے

پر سلو نہیں ڈال لیا کرتا تھا اور زبان سے بھی کچھ کہہ دیا کرتا تھا، مجھے یہ ناکوار گذرتا تھا چنانچہ میں بدک جاتا تھا اور اسے گرا دیتا تھا کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے المرجی کیوں ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو تجھے جوڑا کر دیا جائے، وہ گدھا کہنے لگا میں یہ نہیں چاہتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں؟ کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے اپنے آباء و اجداد سے سن رکھا ہے کہ ہماری نسل کے ستر گدھوں نے انبیاء علیہم السلام کی سواری بننا ہے یا رسول اللہ! میں اس نسل کے گدھوں سے آخری گدھا ہوں اور آپ انبیاء سے آخری نبی ہیں لہذا میں جوڑا ہو کر کیا کروں گا۔

مولانا جانی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تین دن تک وہ گدھا نظر آیا پھر کسی کو دکھائی نہ دیا، بالآخر لوگوں نے اس کو تلاش کرنا شروع کیا تو اس کی لاش ایک کنویں سے ملی۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کو وہ گدھا بھی برداشت نہ کر سکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اس طرح ترجیح دیتا تھا کہ اپنے یہودی مالک کو بھی اپنی پیٹھ سے گرا دیا کرتا تھا، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے عقیدہ کو بھی پختہ کر گیا جس پر قرآن کی ۱۰۰ آیات اور ۱۲۰۰ احادیث و آثار صحابہ و تابعین دال ہیں۔

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ ہر دل پہ چھا رہا ہے جمال و جلال تیرا

بعض واقعات انسانی زندگی میں خصوصاً مسلمانوں کیلئے رہنما اصول کا کام دے جاتے ہیں، اسلام کے نام ایوانوں نے کس طرح اسلام کی لاج رکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی مثالیں پیش کی ہیں کہ تاریخ ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، یہ واقعہ بھی اپنی حیثیت میں انوکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، وابستگی اور اسلام پر پختگی کی مثال ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بصورت کامل اتباع نصیب فرمائے اور ہمیں عقیدہ ختم نبوت پر پختگی نصیب فرمائے، آمین۔

سید عبدالناصر قریشی

شفیع دو جہاں علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء ۶۴) اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا ہمارا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی انہیں بخشواتا تو البتہ پاتے اللہ کو معاف کرنے والا مہربان۔

گویا گنہگاروں اور تباہ کاروں کو یہ حکم ملا ہے کہ اپنے پروردگار سے معافی طلب کریں لیکن تنہا اپنے گھروں میں بیٹھ کر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان سے بھی اپنے حق میں دعا کرا کر۔

ظاہر ہے کہ حکم کا ہر راست تعلق کسی ایسے گروہ سے ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا، خوش نصیب تھے وہ افراد جنہیں اس حکم پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جنہوں نے اللہ سے گڑ گڑا کر معافی مانگی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے حق میں سفارش فرمائی۔ لیکن آج اس چودھویں صدی میں اس امت کا کوئی فاسق و فاجر، بد عمل، نامہ سیاہ اگر حکم جہاں کے کی تعمیل کرنا چاہے تو کیا اس کیلئے اس سعادت و ہدایت کا دروازہ خدا نخواستہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے اور اس کی قسمت میں بجز مایوسی و محرومی کے کچھ نہیں؟ (ندائے شاہی)

یہ ایک سوال ہے جو ہر صاحب دل مسلمان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے کہ آیا آج بھی کوئی اگر روضہ اقدس پہ حاضر ہو کر اپنی بد اعمالیوں پر نادم ہو اور توبہ و استغفار کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرے تو کیا اس کے لئے بھی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بخشش کا پروانہ جاری ہو گا یا نہیں؟ مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کیلئے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے (معارف القرآن ص ۲۵۹ ج ۲)

اسی آیت کے تحت علامہ ابن کثیر دمشقی نے تفسیر ابن کثیر میں ایک عجیب واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ امام عتبی بیان کرتے ہیں میں روضۂ اقدس پر حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے وَلَمَّا أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں اور آپ سے حق تعالیٰ کے دربار میں شفاعت کی درخواست کرتا ہوں، پھر اس نے چند اشعار کہے جن میں سے دو شعر آج بھی مواہب شریف کے اطراف میں موجود دوستوں پر کندہ ہیں۔

یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه قطاب من طيهن القاع والأكم
نفسی الفناء القبر انت مساكنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

اے وہ ذات جو زیر زمین جا کے سویا تو زمین کا ظاہر و باطن بابرکت ہو گیا، چوٹیاں بھی پاک اور خوشبودار ہو گئیں اور وادیاں بھی سرسبز ہو کر لہلہا اٹھیں، میری جان خدا ہوا اس قبر پر جس میں آپ آرام فرما ہیں، آپ کی جود و سخا اور آپ کا غفور و درگزر والا معاملہ آپ کے ساتھ ایسے ہی ہے جیسا کہ دنیا میں تھا۔ یہ عرض کرنے کے بعد وہ اعرابی چلا گیا اور مجھ پر نیند غالب آ گئی، پس مجھے خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا اے عتبی المحقق الاعرابی فبشره ان الله قد غفر لك اے عتبی! جاؤ اور اس اعرابی کو خوشخبری سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۰ ج ۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ علامہ اندلسی نے البحر المحیط میں بروایت حضرت علیؓ تحریر فرمایا ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں فسردي من المقبر انه قد غفر لك کہ روضۂ مبارک سے یہ آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے تیری بخشش کر دی ہے (البحر المحیط ص ۲۸۳ ج ۲)

شیخ القراء قاری فتح محمد پانی پتیؒ (آخری قسط)

حضرت شاطبی دوران کا حافظہ

مسجد نبوی (زادہا اللہ شرفاً وتعلیماً) میں آپ باب صدیق کے قریب تشریف فرما ہوتے تھے، مرض فالج کی وجہ سے آپ کے جسم کا دایاں حصہ منفلوج تھا، زبان میں بہت زیادہ لکنت تھی حتیٰ کہ کسی کو بات سمجھ نہیں آتی تھی، البتہ آپ کے خادم خاص مولوی عبدالقادر متقی یا ان کے برادر خور و قاری محمد اطہر متقی ہی حضرت کی بات سمجھ سکتے تھے ورنہ بہت سیار مشکل کوئی بات سمجھ پاتا تھا مگر خداوند قدوس نے آپ کے دماغ، حافظہ اور یادداشت کو محفوظ فرمایا ہوا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ ایک سو ڈانی قاری آپ کو قراءۃ کسائی میں قرآن مجید سناتے تھے تو اس کو جب سہو ہوتا، اختلاف چھوٹ جاتا، قرآن مجید میں بھولنے کی غلطی ہوتی تو حضرت اپنا پایاں ہاتھ فوراً اہلا دیتے اور گویا تنبیہ فرماتے کہ غلط پڑھ رہے ہو، کیا مجال کہ کوئی غلطی رہ جائے۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ راقم الحروف بھی انہی دنوں امریکہ سے واپسی پر برائے حج سعودی عرب آیا ہوا تھا حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اٹھارہ پارے اسی جگہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سنائے، یہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو بھی شرف بخشا ہے، یہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدا ئے بخشندہ

خیر جوئی کوئی خطا ہوتی حضرت فوراً بانیں بازو کو حرکت دے کر بطور تنبیہ فرما دیتے کہ غلط پڑھ رہے ہو، ذرا خیال سے پڑھو۔

جھنگ صدر میں آمد

آپ کی علمی فیاضی بے انتہا تھی مگر مالی لحاظ سے بھی آپ بے انتہا فیاض تھے، بالخصوص خدام قرآن و حاملین قرآن و بیوگان اور غریب غرباء پر بہت شفیق و مہربان تھے۔

یوں تو آپ جھنگ میں تشریف لاتے رہتے تھے مگر خصوصیت سے جھنگ شہر میں استاذیم حضرت قاری عظیم الدین صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تھے کیونکہ ان کے گھر میں بچے

بچیاں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے، ان کا سن سن کر حضرت خوش ہوتے اور انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ اسی طرح ٹوبہ روڈ غلامنڈی مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ صدر میں قاری بشیر احمد صاحب قریشی پانی پتی نور اللہ مرقدہ مدرس قرآن تھے ان کو حضرت بڑے قاری صاحب کے ساتھ اور حضرت کو ان کے ساتھ والہانہ محبت تھی، قلبی تعلق تھا۔ مگر انہوں نے ایک بار قرآن مجید کی مدرس چھوڑ دی اور کاروبار شروع کر دیا تھا، قدرت خدا کی قاری بشیر احمد صاحب کو کاروبار میں نقصان ہو گیا، اب گھائے کی بیج سے مزید کاروبار میں پھنس گئے، اب کاروبار سے کیسے نکلا جائے، ان حالات کا حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کو بھی علم ہو گیا اور بہت افسوس ہوا ایک یہ کہ قرآن مجید کی مدرس چھوڑ دی مزید برآں یہ کہ نقصان بھی ہو گیا، حضرت بڑے قاری صاحب نے قاری بشیر احمد صاحب کے ساتھ مالی تعاون فرمایا اور دوبارہ مدرس کے منصب پر لائے، اس قصہ کے راوی یعنی شاہد قاری محمد اکرم صاحب مدرس مدرسہ دارالعلوم جھنگ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء کی بات ہے کہ میں حضرت قاری بشیر احمد صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو حضرت بڑے قاری صاحب تشریف لائے فرمایا بشیر! تو مقروض ہے (تقریباً اٹھارہ ہزار کے مقروض تھے) اور جیب سے چار ہزار روپے نکال کر دئے تو مرحوم قاری صاحب نے عرض کی حضرت آپ فکر نہ کریں بس دعا کیا کریں اور نہ لینے پر اصرار کیا تو ڈرا تھوڑی سی سختی کے ساتھ فرمایا بشیر! تو حکم عدولی کرتا ہے، جب حضرت نے ڈرانا راضیگی کا اظہار فرمایا تو قاری بشیر احمد صاحب نے پیسے لے لئے اور حضرت بڑے قاری صاحب نے دعا بھی فرمائی۔ بعد ازاں موصوف قاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کی توجہ اور دعا کے بعد مجھے پتہ نہیں چلا کہ میرا قرض کیسے اترے، بہر حال اتر گیا، نیز قاری صاحب نے پھر تمام عمر پڑھنے پڑھانے میں گزار دی، موصوف آخری دم میں سورۃ لیس کی تلاوت کرتے ہوئے ہی فوت ہوئے ہیں، انا للہ وانا

الیہ راجعون۔

بڑے قاری صاحب جب بندہ راقم الحروف کے نکاح میں تشریف لائے تو فوراً حکماً فرمایا شفیق جا قاری بشیر احمد کو بھی دعوت دے کر آچنا نچان کو دعوت دینے گیا اور وہ تشریف لائے۔

چوک اسٹیشن غلامنڈی جھنگ صدر میں ایک محترمہ آجیبونی زوجہ حافظ شفاعت جو رشتہ میں موصوف قاری بشیر احمد کی ہمیشہ تھیں مرحومہ کو بھی قرآن مجید کے ساتھ شغف تھا، تمام عمر قرآن مجید

پڑھنے پڑھانے میں گذری، حضرت جب بھی تشریف لاتے جھنگ وہاں بھی جاتے بچوں سے قرآن مجید سنتے تھے اور خوش ہوتے تھے، ان حضرات کے ساتھ پانی پت (انڈیا) کے زمانے سے ہی تعلق تھا۔ بچوں کی فرمائش پر بھی قرآن سنانے سے دریغ نہ تھا

قاری محمد اکرم مدرس مدرسہ دارالعلوم جھنگ کہتے ہیں کہ حضرت بڑے قاری صاحب قاری بشیر احمد کے گھر میں تشریف فرما تھے اور ہم تین چار بچے بھی تھے، حضرت نے ہم تینوں چاروں سے قرآن مجید سنا، پھر ہم نے بھی کہہ دیا کہ حضرت بھی سنائیں، مرحوم قاری بشیر احمد صاحب نے کہہ دیا کہ حضرت جی یہ بچے کہہ رہے ہیں آپ بھی سنا دیں تو حضرت نے بلا تا مل رکوع یدایہا الرسول بالغ ما انزل الیہ پڑھ کر سنایا۔

مدرسہ تعلیم القرآن مومن پورہ جھنگ صدر

مدرسہ لہذا میں بندہ راقم الحروف مدرس تھا، یہ غالباً ۱۳۹۹ھ کی بات ہے حضرت بڑے قاری صاحب تشریف لائے بچوں سے قرآن مجید سنا بالخصوص دو بچوں سے قراءات سنیں، ان میں سے ایک قاری محمد حذیفہ شہید بن قاری محمد ادریس صاحب پانی پتی اور دوسرا طالب علم محمد ایوب آف لیہ تھا، ان سے قراءات سن کر مخطوط ہوئے پھر ان بچوں کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے انعام بھی دیا۔ بعد ازاں بندہ کو بارہ صد روپے دئے اور فرمایا کہ ان میں سے تین صد روپے تیرے اور تین صد روپے مولوی محمد جمیل صاحب مدرس مدرسہ لہذا کے اور تین صد روپے تیسرے مدرس کے اور تین صد روپے فلاں بیوہ کے جو حسب حکم ہر ایک کو دیدئے گئے۔

قاری محمد ادریس صاحب پانی پتی بن قاری عظیم الدین صاحب (دونوں باپ بیٹے آپ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں کہ جب میں بڑے قاری صاحب کے درس میں داخل تھا تو کبھی کبھی خادم کی حیثیت سے حضرت کے ہمراہ ادھر ادھر جانا ہوتا تھا، کوئی بھی حضرت سے قرآن مجید سنانے کی فرمائش کرتا حضرت فوراً اہل تکلف پڑھنا شروع کر دیتے، گلہ ٹھیک ہے یا نہیں اس سے بحث نہیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کسی نے فرمائش کر دی کہ حضرت قرآن مجید سنا دیں مگر حضرت کو زلہ زکام کی وجہ سے گلے میں تکلیف تھی گلہ بیٹھا ہوا تھا آپ نے اس تکلیف کی پرواہ نہیں کی بس قرآن مجید سنانا شروع کر دیا۔

مدرسہ حسینیہ سلا نوالی میں آمد

مدرسہ ہذا کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا حکیم شریف الدین صاحب نور اللہ مرقدہ علاقہ کی ایک بزرگ شخصیت تھی، حضرت مدنیؒ سے سلسلہ بیعت تھا، نظم و نسق کے اعتبار سے بہت مضبوط اور نظامت میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے، حضرت بڑے قاری صاحبؒ کے عشاق میں سے تھے، جو نبی حضرت دورہ فرماتے ہوئے اندرون پنجاب تشریف فرما ہوتے تو حکیم صاحبؒ خود پہنچ جاتے، آمد کی تاریخ وغیرہ طے فرماتے اور خوشی واپس لوٹتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ خود نہ جاتے مگر قاری محمد ادریس صاحب پانی پتی جو کہ بڑے قاری صاحبؒ کے شاگرد بھی ہیں ان کو بھیج دیتے کہ جاؤ حضرت کو لے کر آؤ، وہ لے کر آتے، اور چونکہ مدرسہ لہذا میں بچیوں کا کام بہت مضبوط تھا اس وجہ سے حضرت کو بھی ذاتی طور پر اس مدرسہ سے قلبی تعلق تھا۔

مدرسہ ہذا میں بزرگ معلمہ تھیں جن کے کام سے حضرت بہت خوش تھے آں محترمہ قاری شرافت اللہ صاحب کی نانی صاحبہ تھیں اور محترم حاجی شبیر احمد صاحب آف کوہرانوالہ کی والدہ محترمہ تھیں، اس اللہ والی کا اس کی نیکی اور والہانہ خدمت قرآن مجید کی وجہ سے مدرسہ علاقہ میں نیک نامی، شہرت اور دبدبہ تھا۔ یہی وہ واحد مدرسہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد جس میں سب سے پہلے بچیوں کے حفظ کا سلسلہ قائم ہوا تھا، ابتدائے پاکستان میں بچیوں کے حفظ کا سلسلہ اسی مدرسہ میں شروع ہوا اور کہیں نہ تھا۔

تو حضرت بڑے قاری صاحبؒ آں محترمہ کی درسگاہ کی بچیوں کا سننے میں پورا پورا دل اور پوری پوری رات گزار دیا کرتے تھے، یہ معلمہ بزرگ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں تو پھر ان کی دختر نیک اختر آپا کلثوم والدہ قاری شرافت اللہ صاحب نے اس درسگاہ کو خوب سنبھالا دیا، اس دور میں بھی حضرت کی آمد و رفت کا سلسلہ اسی طرح سے قائم رہا، اسی طرح بچیوں کا قرآن مجید سننے سے محفوظ ہوتے اور قلبی سکون محسوس فرماتے۔

نظر شفقت

بندہ راقم الحروف نے حضرت الاستاذ قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ کے داخل درس ہونے کے وقت میں حضرت کو دس پاروں کا امتحان دیا، دوران امتحان حضرت نے بندہ سے پوچھ چھچھ کی

کون ہے؟ تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ عرض کی حضرت محمد شفیق ہوں، میرے والد صاحب کا نام محمد رفیق تھا جو کہ تبلیغی جماعت میں گئے تھے تقسیم ہند سے قبل اور نظام الدین میں فوت ہو گئے تھے وہیں دفن ہوئے، اور میرے دادا کا نام محمد شفیع تھا، سنی پت کے رہنے والے تھے پانی پت میں آکر بس گئے تھے۔

مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان دس پاروں کا امتحان دیا، حضرت کی اس مختصری پوچھ پچھ سے اندازہ ہوا کہ حضرت میرے والد محترم اور دادا مرحوم کو پانی پت کے ماٹے سے پہچان گئے۔ خیر میں امتحان دے کر خیر المدارس کی طرف جا رہا تھا، دہلی دروازے سے گذر چکا تھا قریب ہی تھا کہ خیر المدارس میں پہنچ جاتا، ایک ساتھی پیچھے سے آیا اور وہ تھے قاری محمد ادریس صاحب مہتمم دارالقرآن فیصل آباد، انہوں نے مجھے ڈراتے ہوئے کہا کہاں جا رہا ہے؟ چل تجھے قاری صاحب بلا رہے ہیں، تو میں ڈر گیا اللہ جانے کیا ہوگا، ان کے ساتھ واپس ہولیا، پہنچا تو پتہ چلا کہ بڑے قاری صاحب کا دریاے شفقت موج میں ہے کہ آپ نے چھوٹے (قاری رحیم بخش صاحب) کو حکماً فرمایا کہ شفیق کہاں ہے اس کو بلوا کر کھانا کھلاؤ، چنانچہ اس ناچیز کو حضرت نے اپنے ہمراہ کھانا کھلایا، اس دوران چھوٹے قاری صاحب نے بندہ کی خیر خواہی کیلئے فرمایا کہ حضرت اس کے چچا صوفی عبدالغنیظ (مرحوم) اس کی نماز کے بارہ میں شکایت کرتے ہیں کہ یہ سستی کرتا ہے پھر بندہ کو اچھے انداز میں پند و نصیحت بھی فرمائی۔

راقم الحروف محمد شفیق پانی پتی

راقم الحروف بعد از فراغت ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء بحکم مقررۃ اعظم حضرت الحاج القاری رحیم بخش نور اللہ مرقدہ برائے مدرس مدرسہ اسلامیہ چک نمبر ۸۰ تحصیل بزمان ضلع بہاولپور میں حاضر ہو گیا مگر اس وقت تک شادی نکاح کا بندھن نہیں ہوا تھا، آخر وہ دن بھی آ گیا، تاریخ مقرر ہو گئی، بندہ نے حضرت مقررۃ اعظم کو دس پیسے کا خط لکھ کر دعوت دی، حضرت نے نکاح میں شمولیت کی دعوت تو قبول فرمائی مگر ساتھ ہی ایک مشورہ بھی دیدیا کہ ارے اوہ حضرت بڑے قاری صاحب بھی تشریف لائے ہوئے ہیں ان کو بھی دعوت دے دے (اس وقت تک حضرت بڑے قاری صاحب سعودی عرب نہ گئے تھے کراچی ہی میں تشریف رکھتے تھے) حضرت کراچی سے تشریف لائے ہوئے تھے ملتان حسین آگاہی مسجد سراجاں میں قیام تھا، بندہ نے حسب حکم دس پیسے کا ایک اور خط دعوت نامے کے طور پر لکھ کر حضرت بڑے قاری صاحب کی خدمت عالیہ میں روانہ کر دیا، بندہ کی خوش بختی کہ دو چار دن کے

بعد حضرت کی طرف سے قبولیت کا پروانہ پہنچ گیا کہ ٹھیک ہے پہنچ جاؤں گا، چنانچہ حضرت بڑے قاری صاحب اور آپ کے منظور نظر شاگرد دوسرے کے مطابق مع دیگر حضرات پہنچ گئے اور بندہ کا نکاح پڑھا کر بندہ کی خوب دل جوئی فرمائی، حضرت کے نکاح پڑھانے کی ہی برکت ہے کہ چاروں بچے اور تین بیٹیاں قرآن مجید کے حافظ بن گئے اور چوتھی بچی عائشہ صدیقہ ۹ پاروں کی حافظہ تھی کہ اللہ کو پیاری ہو گئی، ایک بچہ عالم بن گیا اور باقی تین جامعہ خیر المدارس ملتان میں زیر تعلیم ہیں الحمد للہ علیٰ ذلک باوجودیکہ ہم حضرت کی شان کے مطابق انتظام بھی نہ کر سکے مگر پھر بھی حضرت نے مزید ایک رات بندہ کے ٹوٹے پھوٹے گھر میں قیام فرما کر بندہ کی خوب خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔

مدرسہ تفہیم القرآن بازار کھیتیا نوالہ جھنگ صدر

مودودیت کو حضرت اچھا نہ سمجھتے تھے، مدرسہ لہذا کے مہتمم حضرت مولانا عظمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند ایک علمی شخصیت اور فی البدیہہ شاعر تھے مگر ان کے خیالات مودودیت کی طرف مائل تھے اور اتنے پختہ تھے کہ حضرت کے ایک خط کے جواب میں ایک لمبا سا خط ارسال کیا جس میں اس سلسلہ کی خوبیاں بیان کیں اور یوں لکھا تھا کہ میں اس شخص (مودودی) کو کیسے چھوڑ دوں کہ جو مشکل سے مشکل مسئلے کو چنگیوں میں حل کر دے، اس کے باوجود حضرت نے ان کو نہ چھوڑا اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ برآمد جاری رہا حتیٰ کہ آپ کی کوشش کامیاب ہوئی اور ان کے خیالات یکسر بدل گئے کہ ایک بار مولانا مرحوم ایک سکول میں تلاوت و نعت خوانی کے مقابلہ میں ثالثی کے فرائض سرانجام دینے کیلئے تانگے میں سوار تشریف لے جا رہے تھے ہمراہ ماسٹر شفیق الرحمن ٹیچر ایم بی ہائی سکول ریل بازار جھنگ صدر اور راقم الحروف تھا، اسی سلسلہ کی کوئی بات ماسٹر صاحب سے چل رہی تھی تو جوش میں مولانا مرحوم فرمانے لگے کہ میں مودودی صاحب سے ہر مسئلہ پر مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔

حضرت بڑے قاری صاحب کا تقویٰ

حضرت الاستاذ قاری عظیم الدین صاحب کے مدرسہ ضیاء العلوم پرانا اڈہ چنیوٹ میں تشریف آوری ہوئی، حضرت کے شاگرد عظیم نے اپنے استاد عظیم یعنی حضرت بڑے قاری صاحب کو بتایا کہ حضرت مدرسہ کے صحن میں امرود کا درخت ہے اور اس کو پھل بھی لگا ہوا ہے تو حضرت نے ٹٹول ٹٹول کر امرود کو توڑا اور تناول فرمایا، نیز فرمایا کہ میں یہ امرود بارہ سال کے بعد کھا رہا ہوں کیونکہ

جب سے مجھے علم ہوا کہ پھل کی خرید و فروخت حلال اور جائز طریقے سے نہیں ہو رہی ہے اس وقت سے میں نے پھل کھانا چھوڑ دیا ہے اور اس کو بارہ سال ہو چکے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔
سفر آخرت

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ دنیا سے جاتے ہیں مگر ان پر بہت کم آنکھیں نم ہوتی ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں ان کو کوئی سوکوار بھی نہیں ملتا اور وہ اس شعر کے مصداق ہوتے ہیں۔
بر مزار ما غریباں نے چراغاں نے گلے نے پر پروانہ سوز دے صدائے بلبلے
اور کچھ اللہ کے بندے اور اس کی خاص چنی ہوئی شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر انسان تو انسان اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق بھی سوکوار ہوتی ہے، جس طرح انسان روتا ہے دوسری مخلوق بھی گریاں ہوتی ہے۔ تو حضرت بڑے قاری صاحبؒ کے جنازہ میں جو لوگ شریک تھے وہ بتاتے ہیں کہ جب حضرتؒ کا جنازہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھا کر جنت البقیع کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو سوکواروں اور غمگینوں میں انسانوں کے علاوہ ایک بدلی بھی تھی جو حضرتؒ کے جنازہ پر سایہ فگن چل رہی تھی اور کن من کی شکل میں آپ پر بوند لپاندی کر رہی تھی اور آنسو برسا رہی تھی۔ اللہ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے آمین ثم آمین۔

دعائے صحت

ضلع خوشاب گاؤں نازی کے جید عالم حضرت مولانا قاری علی محمد صاحب
دامت برکاتہم اعلیٰ جامعہ عربیہ فیض القرآن نازی ان دنوں علیل ہیں، تمام
قارئین سے درخواست ہے کہ حضرت کی صحت کیلئے خصوصی دعا فرمائیں۔

الاستفتاء

نقد اور ادھار میں نرخ کا فرق کرنا

نقد اور ادھار بیع میں نرخ کے اندر تفاوت جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: نقد اور ادھار بیع میں نرخ کے اندر تفاوت جائز ہے، اگر نقد ایک من دس روپے کا بکتا ہو تو ادھار لینے کی وجہ سے ایک من کے ۱۲ روپے مثلاً لینے جائز ہیں، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ خریدار سے پہلے پوچھ لیا ہو کہ نقد لوگے یا ادھار، اور اگر ایک نرخ پر سودا دے دیا پھر معلوم ہوا کہ یہ ادھار لے رہا ہے تو اب مدت کے بدلہ میں قیمت میں زیادتی نا جائز ہے کیونکہ مدت کے بدلہ میں قیمت لینا اور چیز ہے اور مدت کی وجہ سے ابتداء قیمت میں زیادتی دوسری چیز ہے۔

تکرار فاتحہ اور فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورت ملانے کا حکم

اگر کوئی شخص سورت فاتحہ کے بعد کچھ دیر سوچنے لگایا تکرار فاتحہ کیا تو کیا حکم ہے؟

نیز فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورت ملانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: الحمد پڑھ کر اگر سورت پڑھنے میں اتنی دیر تک سوچتا رہے کہ اس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکتا ہو تو سجدہ سہولاً لازم ہو جاوے گا، اسی طرح سورت فاتحہ کے سہو سورۃ کے قبل دو مرتبہ پڑھنے سے بھی سجدہ ضروری ہوگا، البتہ فرائض کی آخری دو رکعات میں قصداً یا سہواً سورت ملانے سے سجدہ سہولاً لازم نہیں کیونکہ فرض کی آخری رکعات میں سورت نہ ملانا سنت ہے اور سورت کا ملانا قصداً مکروہ تفریہی ہے اور سنت کے ترک سے سجدہ سہولاً لازم نہیں آتا۔

قعدہ اخیرہ کے بعد کھڑے ہو جانا

آخری رکعت میں مقدار تشہد بیٹھ کر کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

الجواب: دو رکعت والی نماز میں اسی طرح تین اور چار رکعت والی نماز میں اگر آخری رکعت میں مقدار تشہد بیٹھ کر سہوا کھڑا ہو جاوے تو سجدہ کرنے سے پہلے پہلے جب یاد آوے بیٹھ کر التحیات پڑھے

بغیر فوراً سلام پھیر کر سجدہ ہو کرے۔

چار رکعت سنت کی نیت باندھ کر دو رکعت پر سلام پھیر دینا

چار رکعت سنت کی نیت باندھی مگر دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو اب کتنی رکعت کی قضا کرے؟

الجواب: سنت مؤکدہ اگر چار رکعت کی نیت سے شروع کی گئی ہوں تو دو رکعت پر سلام پھیر دینے سے از سر نو چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنی ضروری ہیں اور غیر مؤکدہ میں صرف دو رکعتیں پڑھ لینی کافی ہیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور یہی حکم قبل و بعد جمعہ کی سنتوں کا ہے، عصر سے قبل اور عشاء کے قبل کی چار رکعتیں غیر مؤکدہ ہیں۔

ظہر و عصر کے وقت کی تحقیق

ظہر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ کیا مثل اول کے بعد عصر کی اذان دی جاسکتی ہے؟

الجواب: امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق اور ظاہر الروایۃ اور مختار یہی ہے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے دو مثل تک ہے اور دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو کر غروب آفتاب تک رہتا ہے، اس بنا پر مثل اول کے بعد ظہر قضا نہ ہوگی بلکہ مثل ثانی کے بعد قضا ہوگی اور عصر کا وقت بھی مثل ثانی کے بعد ہی شروع ہوگا، لہذا مثل ثانی سے قبل نماز کی طرح اذان بھی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اذان نماز کے وقت کے آجا نے کا اعلان ہے، جب مثل اول پر عصر کا وقت ہی شروع نہیں ہوا تو اذان کیسے صحیح ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر مثل اول کے اندر اور عصر مثل ثانی کے بعد ادا کریں تاکہ اختلاف ائمہ سے بچ کر بالا جماع دونوں نمازیں ادا ہو جاویں، زوال کے وقت ہر چیز کا جتنا سایہ ہوتا ہے اس کو چھوڑ کر جب اس چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جاوے تو ایک مثل ہو گیا اور جب دو کو نہ ہو جاوے تو دو مثل ہو گیا مثلاً ایک بالشت لکڑی کا سایہ عین زوال کے وقت چار انگشت ہو تو جب ایک بالشت چار انگشت سایہ ہو جاوے ایک مثل ہو جاوے گا اور جب چار انگشت اور دو بالشت سایہ ہو جاوے تو دو مثل کہلاوے گا، زوال کے وقت کے سایہ کو سایہ اصلی کہتے ہیں، یہ ہر موسم میں مختلف ہوتا ہے۔

سید عبدالشکور رزندی

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ

تعارف و تبصرہ

نام کتاب: قرۃ العیون و مفرح القلب المحزون المعروف گناہوں کا عذاب
 نام مؤلف: علامہ ابواللیث سمرقندی قدس سرہ مترجم: پروفیسر مولانا حافظ محمد سمیع اللہ فراز
 صفحات: ۱۰۸ ناشر: دارالقلم علی بلاک اعوان ٹاؤن لاہور

قرۃ العیون و مفرح القلب المحزون (عربی) حضرت علامہ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کی تالیف ہے جس کا اردو ترجمہ ”گناہوں کا عذاب“ کے نام سے محترم جناب پروفیسر مولانا حافظ محمد سمیع اللہ فراز زید مجدہ نے نہایت محنت سے کیا ہے، ترجمہ آسان، عام فہم اور سلیس ہے۔ مؤلف چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم، صوفی، بزرگ نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی امام الہدیٰ کے لقب اور ابواللیث کی کنیت سے معروف ہوئے ہیں، آپ اپنے زمانہ کے بلند پایہ فقیہ، جلیل القدر محدث اور ایک لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔ زہد و ورع میں اعلیٰ مقام کے حامل، اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ”قیامت کے دن میرے نامہ اعمال سے کوئی عبت چیز نہ نکلے گی اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا جھوٹ نہیں بولا اور کسی کے ساتھ اس قدر بھی برائی کا ارادہ نہیں کیا جس قدر جانور اپنے سر کو پانی میں مارتا ہے اور پھر سر اٹھا لیتا ہے۔“ پیش نظر کتاب میں شراب نوشی، سود خوری، قتل، زنا، موسیقی، والدین کی نافرمانی وغیرہ گناہوں کی عبرتناک سزاؤں کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مترجم سلمہ کو جزائے خیر دیں اور ان کی اس عظیم کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں، آمین۔ (قاضی عتیق الرحمن) سہ ماہی مجلہ پاسپان اہل سنت شمارہ ۲ بیاد: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین زیر نگرانی: قاضی محمد یوسف الحسینی مدیر اعلیٰ: محمد عمر عثمانی صفحات: ۲۸ زر تعاون: فی شمارہ ۱۰ روپے آج کے اس پر فتن دور میں جبکہ لادینیت اپنے عروج پر ہے تحریر و تقریر کے ذریعے عوام میں دینی شعور پیدا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے، بھم اللہ اس ضرورت کو رساں و جہرا مکہ کے ذریعے کسی حد تک پورا کیا جا رہا ہے۔ زیر نظر رسالہ بھی اس فریضہ کی ادائیگی میں احسن طریقہ سے مصروف عمل ہے جس کی سرپرستی امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہم فرما رہے ہیں۔ مضامین پر مغز ہونے کے ساتھ ساتھ پراثر بھی ہیں اور ترتیب بھی عمدہ ہے، البتہ سرورق پر موجود نقش قرآنی محل غور ہے۔ (عابد محمود حقانی)

اخبار الجامعہ

۲۷ محرم الحرام کو صدر جامعہ نے بدرستہ ابداء العلوم نزد چھتر پارک مری روڈ اسلام آباد کاسنگ بنیا درکھا۔

۳۰ محرم الحرام کو قبل ظہر بدرستہ ابداء تعلیمی مرکز عارف والا کا اور بعد عصر بدرستہ علوم اسلامیہ پاکستان کا امتحان لیا مغرب کے بعد اسی بدرستہ میں خطاب فرمایا۔

۳۱ سے ۵ صفر تک جامعہ کا تحریری اور ۶ صفر کو تحریری امتحان ہوا۔

۷ صفر کو بھلو وال بدرستہ خدیجہ الکبریٰ اور ملک وال بدرستہ کے افتتاحی پروگرام میں صدر جامعہ کا خطاب ہوا۔

۱۰ صفر کو عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شرف علی تھانوی دامت برکاتہم دارالعلوم اسلامیہ لاہور کی جامعہ میں تشریف آوری ہوئی اور جامعہ فاروقیہ مبارک خان میں خطاب ہوا۔

۱۶ صفر کو صدر جامعہ نے نیو ماڈل ٹاؤن ڈیرہ غازیخان مولانا رشید احمد شاہ جمالی کے بدرستہ میں جمعہ پڑھایا، نیز بدرستہ خلفاء راشدین میں بھی حضرت کا بیان ہوا۔

۱۷ صفر کو جامعہ اشرفیہ کالا کالونی ڈیرہ غازیخان میں بیان ہوا، ظہر کے بعد بدرستہ محمدیہ میں مستورات کیلئے بیان ہوا اور بعد مغرب مرکز اسلامی میں دعا فرمائی۔

۱۸ صفر کو بدرستہ تعلیم القرآن بہتی چاند یو ای ہوکانی میں فجر کے بعد درس ہوا، نیز جامعہ محمدیہ کنیال کالونی تونسہ شریف اور بہتی رحیم آباد بدرستہ البنات میں بیان ہوا، شام کو حضرت مولانا قاضی عبدالکریم مدظلہم کلاچی کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے۔

۱۹ صفر کو صبح جامعہ معارف الشرعیہ تشریف لے گئے، نیز حضرت مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب صدر مشقی و مہتمم دارالعلوم عید گاہ رکب سے ملاقات کی، دوپہر کو بدرستہ تعلیم القرآن بہتی تنگڑا میں بیان ہوا، بعد ظہر بدرستہ اشرف العلوم جلو والی میں بیان ہوا۔

۲۲ صفر کو سد ماہی امتحان کے نتائج کا اعلان ہوا اور اعدادیہ سے عالمیہ تک امتیازی نمبر لینے والے طلبہ میں صدر جامعہ نے انعامات تقسیم فرمائے۔

نعت شریف

صبا! حضور حضور ﷺ میں یہ پیام بعد از سلام پہنچے

جو مدتوں سے تڑپ رہا ہے وہ در پہ اب تو غلام پہنچے

اڑا کے مجھ کو جو سوئے طیب، نبی ﷺ کے قدموں میں چھوڑ آئے

نسیم گلزارِ مصطفیٰ ﷺ کی وہ موجہ خوش خرام پہنچے

بھٹک رہا ہے رہ جنوں میں کوئی مسافر تمہارا طالب

کبھی تو منزل ملے اسے بھی، کبھی تو یہ تشنہ کام پہنچے

جسے عدد گن سکے نہ دلِ امیرے نبی ﷺ پر قلب صادق

درو پہنچے، سلام پہنچے، مدام پہنچے، مدام پہنچے

ستارے گردِ سفر بنے ہیں، فلک کے سب دستے کھلے ہیں

جہاں تلک اُن کے رب نے چاہا، وہ انبیاء کے امام پہنچے

بنا ہے جنتِ نظیرِ محشر، نبی ﷺ کا ہر امتی ہے خوش تر

پے شفاعتِ فہم دیکھو! شفیعِ خیر الامام ﷺ پہنچے